سیرت بعد وصال

حضرت

داتا گنج بخش

رحمۃ اللہ تعالیٰ

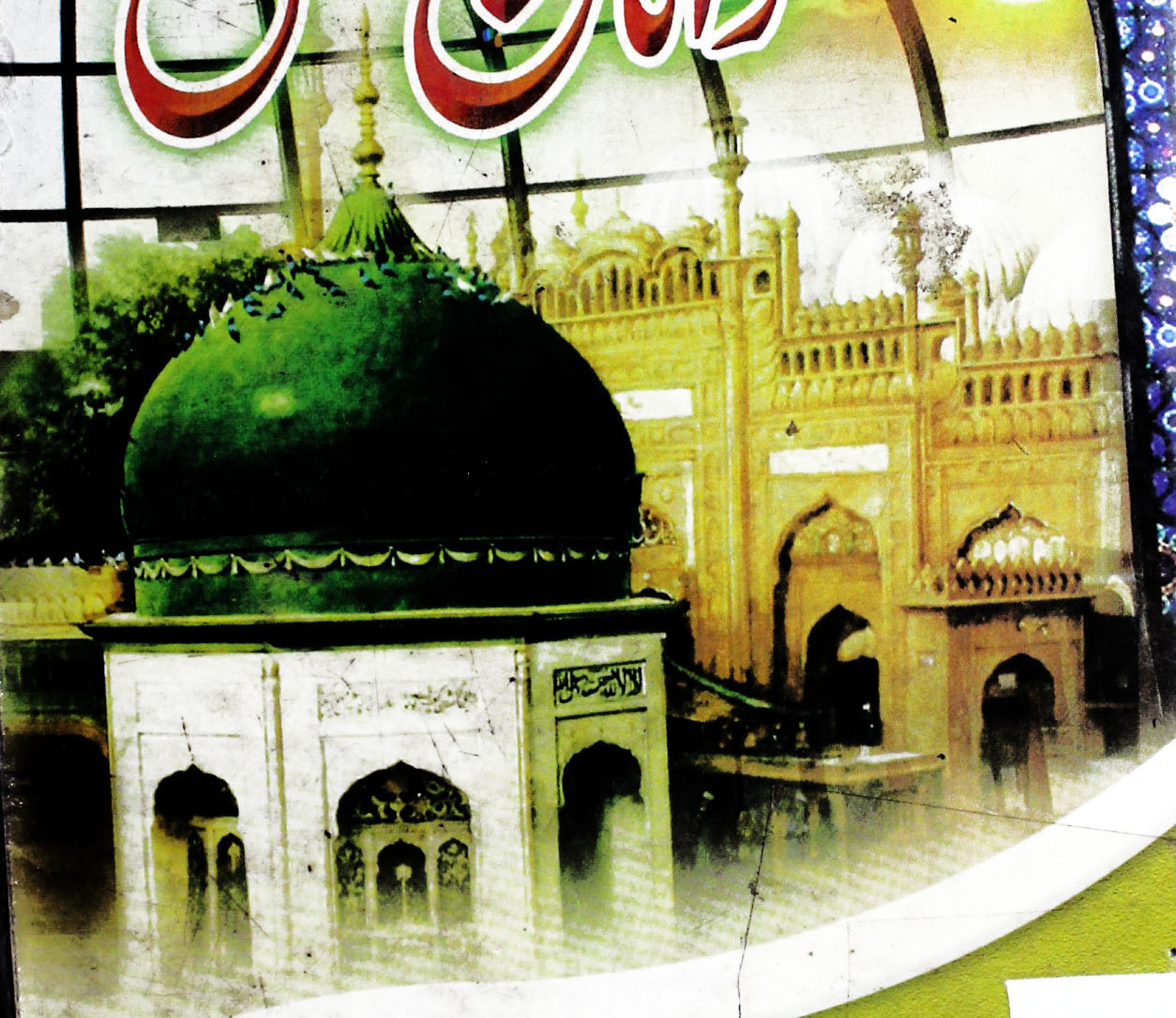

الدین ڈیروی

رضا پبلی کیشنز لاہور

[redacted]

سیرت بعد وصال

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ

جلال الدین ڈیروی

رضا پبلی کیشنز

186- انارکلی، لاہور

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

297.9924
ج ۹۲ ع
۸۵۴۵۸

جملہ حقوق محفوظ

بیاد : امام اہل سنت مجدد دین وملت، نائب غوث اعظم

امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

بفیضان نظر: حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ

کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سیرت بعد وصال داتا گنج بخش

مؤلف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جلال الدین ڈیروی

صفحات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ 208

تعداد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گیارہ سو

اہتمام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صاحبزادہ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی

اشاعت اول ۔۔۔۔۔۔۔ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ، مارچ 2004ء

ہدیہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ 100 روپے

ناشر

رضا پبلی کیشنز

۱۸۶۔ انارکلی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

فہرست

انتساب	۷
عرض مرتب	۸
تقدیم	۱۰
حضرت داتا گنج بخش	۲۶
مخالفین اہل سنت کا نقطہ نظر	۳۰
مزارات پر حاضری	۳۵
مجاور	۳۸
مزارات پر مراقبے	۳۸
حیات بعد وفات	۳۹
سیرت گنج بخش بعد وصال	۵۵
مقام مزار پرانوار کا تعین	۶۰
مزار پرانوار پر حاضری	۷۸
عرس داتا	۱۱۶
توسل و دعا	۱۲۲
کشف المحجوب	۱۲۳
تصرفات بعد وصال	۱۳۵

بیعت	۱۳۵
بشارت پیدائش	۱۳۸
صحت عطا فرمائی	۱۳۸
ہدایات	۱۴۴
حضرت داتا صاحب سے ملاقات	۱۴۷
کرم نوازی	۱۵۱
داتا گنج بخش کہنا جائز یا نہیں	۱۵۴
حضرت داتا صاحب کا عقیدہ	۱۸۴
ارشادات حکیم اہل سنت	۱۸۶
حضرت داتا صاحب اور قیام پاکستان	۱۸۷
حضرت داتا گنج معاف فرمایئے	۱۸۹
گنبدوں کے مجاور	۱۹۴
حواشی	۱۹۵

انتساب

صاحبزادہ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی کے نام جنہوں نے حضرت داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز کے "فیض عالم" ہونے کی نسبت سے اپنے اشاعتی ادارے کا نام "دارالفیض گنج بخش" رکھا ہے جس کے مطبوعہ آثار کے ذریعے علم وعرفان کا فیض عام لوگوں تک پہنچ رہا ہے۔ ان مطبوعات کا ہدیہ ایصال ثواب امت رسول اللہ ﷺ تحریر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

عرض مرتب

امام الاولیاء، سلطان الاصفیاء سیدنا حضرت سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش۔ قدس سرہ۔ کے سیرت نگاروں کی فہرست میں نام شامل کرانا بہت بڑا اعزاز ہے، اگرچہ آپ کی سیرت کے مختلف گوشوں پر اہل محبت نے بہت کچھ لکھا ہے مگر سیرت داتا بعد از وصال کے موضوع پر ابھی تک کسی نے باقاعدہ قلم نہیں اٹھایا، لہذا کافی سوچ بچار کے بعد راقم نے اس اہم موضوع کا انتخاب کیا۔ حالانکہ اس حوالے سے بہت سا مواد موجود ہے جسے ابھی تک مربوط صورت میں پیش نہیں کیا جاسکا۔ الحمدللہ! اس اہم کام کی ابتداء کا شرف بفیضان حضرت داتا صاحب قدس سرہ اس فقیر کو حاصل ہو رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضور داتا صاحب نور اللہ مرقدہ ایسے بلند پایہ اور عالی مرتبت ہستی کے متعلق جس شایان شان گلدستہ عقیدت پیش کرنے کی ضرورت تھی، راقم پیش نہ کرسکا۔ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ فقیر کا تعلق دور افتادہ خطہ سے ہے جہاں اہل سنت کا لٹریچر عنقا ہے، بعض حضرات نے اگرچہ اس حوالے سے بھرپور تعاون کیا لیکن مجموعی طور پر اہل سنت قلم کی طاقت سے بےخبر دکھائی دیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سنی اہل قلم کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنے کے اسی جذبہ کو فروغ دیا جائے جسے حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ اپنی ظاہری حیات میں دیتے رہے تاکہ وہ اس میدان میں فعال کردار ادا کرسکیں۔

زیر نظر کتاب میں ایک باب ''مخالفین اہل سنت کا نقطہ نظر'' شامل ہے۔ ممکن ہے بعض حضرات اس پاکیزہ تذکرہ میں اس قبیل کے افراد کے ذکر کو غیر ضروری سمجھیں لیکن ہماری رائے میں عام لوگوں بلکہ خود کچھ سادہ دل اور غلط فہمی میں مبتلا مخالفین کو بھی یہ ذہن نشین کرانے کی اشد ضرورت ہے کہ بزرگوں کے مزارات پر حاضری اور ان کے تصرفات بعد وصال جیسے مسائل متفق علیہ ہیں، اس لیے ان مٹھی بھر متشدد حضرات کی وعظ و نصیحت پر

توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے جو بزرگان دین کے مزارات کو مشکوک بنانے اور نعوذ باللہ انہیں مسمار کرنے کی خطرناک مہم چلارہے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں معروف محقق خواجہ رضی حیدر، کراچی، کے مقالہ: ''داتا گنج بخش سید علی ہجویری۔ سوانح و تعلیمات کی روشنی میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت'' بطور تقدیم شامل ہے جسے ''نشرح فاؤنڈیشن کراچی'' نے مئی ۲۰۰۰ء میں بموقعہ عرس داتا صاحب شائع کرکے تقسیم کیا۔ مذکورہ فاؤنڈیشن کئی سالوں سے کراچی سطح پر عرس داتا گنج بخش بڑی عقیدت واحترام سے منانے کا اہتمام کرتی ہے۔ اس کتابچہ کا انتساب خواجہ رضی حیدر نے حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام اس طرح سے کیا ہے:

انتساب

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام

جنہوں نے حضرت داتا صاحب کے شہر ''لاہور'' میں رہتے ہوئے مسلک اہل سنت کی ترویج واشاعت کے لیے عالمی سطح پر خدمات انجام دیں۔

آخر میں محترم میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی (لاہور) اور میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے زیادہ تر مواد فراہم کیا۔ ماہنامہ ندائے اہلسنت گلبرگ لاہور، دارالعلوم چشتیہ رضویہ پہاڑپور (ڈیرہ اسماعیل خان) اور دارالعلوم مہریہ پہاڑپور کی لائبریریوں سے بھی استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں میاں محمد سلیم حماد حضرت داتا گنج بخش لاہور، جناب حکیم محمد جان صاحب مالک دواخانہ غوثیہ پہاڑپور اور دیگر احباب نے بھی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خاک پائے اولیاء

صوبیدار (ر) جلال الدین ڈیروی

تقدیم

--------- خواجہ رضی حیدر۔ کراچی

آج عالم اسلام اپنی روز افزوں ترقی و خوشحالی اور جدید ترین دنیا کا حصہ بن جانے کے باوجود بین الاقوامی تناظر میں کوئی ایسی مرکزی قوت کے طور پر موجود نہیں جو عالمی نظام میں کوئی انقلاب برپا کر دے یا ان مظالم کا خاتمہ کر دے جو مسلمانوں پر غیر مسلم طاقتوں نے مسلط کر دیئے ہیں۔ فلسطین و کشمیر کے مسائل قدیم ہیں اور یقیناً حل طلب ہیں لیکن عالمی طاقتیں مختلف ممالک میں مسلمانوں کو من حیث الجماعت کمزور کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً جو ظالمانہ حربے اختیار کرتی رہتی ہیں ان کے سبب ایک عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ کیا اسلام (نعوذ باللہ) ایک کمزور دین ہے کہ جس کے ماننے والوں کو بآسانی ظلم و جبر کا نشانہ بنا کر ان کے ملی وجود اور وحدت کو کمزور و معذور بنایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بہر حال امت مسلمہ کے اہل فکر و دانش کو اس وقت تک دینا ہے جب تک کہ ملت اسلامیہ ایک کامل وحدت کے طور پر عالمی منظر پر اپنا غلبہ ثابت نہ کر دے۔ اگر آپ عالم اسلام کی روحانی اور علمی تاریخ کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ صوفیہ اور مشائخ اس سوال کے جواب سے نہ کبھی لاعلم رہے ہیں اور نہ ہی کبھی انہوں نے اس سوال کے جواب میں خاموشی اور بے حسی اختیار کی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے عہد کے لیے ایک جامع دستور العمل فراہم کیا ہے اور مسلمانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اس دستور العمل کو جزو زندگی بنائیں، تاکہ ان کی دنیاوی اور اخروی فلاح ممکن ہو سکے۔ اسلام کی روحانی اور علمی تاریخ بڑی بے بہا ہے۔ محدثین، فقہاء اور علماء کے علاوہ صوفیہ نے ایسے روحانی اور علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جو رہتی دنیا تک نہ صرف اسلام کی حقانیت کو عام کرتے رہیں گے بلکہ مسلمانوں کے لیے ہر دور میں فلاح و

ترقی کے رہنما اصول فراہم کرتے رہیں گے لیکن یہ ہماری اپنی بدقسمتی اور غفلت ہے کہ ہم بیمار ہیں، ہمارے مرض کی تشخیص بھی ہو چکی ہے، ادویہ بھی تجویز کی جا چکی ہیں اور یہ ادویہ ہمارے پاس موجود بھی ہیں، لیکن ہم اس کے باوجود ادویہ کے استعمال پر توجہ نہیں دیتے جس کی بناء پر نہ صرف مرض اپنی جگہ برقرار رہتا ہے بلکہ ہماری جسمانی صحت بھی بحال نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے ہم پر ملی حیثیت میں یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں۔ ان تعلیمات کی روشنی میں اپنے موجودہ مسائل و مصائب کا تجزیہ کریں، اپنے لیے فلاح و ترقی کا راستہ تلاش کریں، اس راستہ پر اللہ کے سچے سپاہی اور رسول اللہ ﷺ کے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اس یقین اور ارادہ کے ساتھ گامزن ہو جائیں کہ اسلام ایک ناقابل شکست دین ہے، اس کائنات پر بہر حال اس دین کی حکمرانی قائم ہونا ہے اور ہم کو اس دین کی بالا دستی کے قیام کے لیے اپنے مال واسباب، اپنی ذاتی خواہشات اور تعصبات کو ترک کر کے ایک عالمگیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے اپنے روز و شب اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کر دینا ہے۔ ایک ایسے عالمگیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے جو نہ صرف روحانی اور علمی طور پر نمایاں اور ممتاز ہو بلکہ معاشی اور معاشرتی طور پر بھی عالم انسانیت کی رہنمائی کی مکمل استعداد رکھتا ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے عالمگیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کون کرے گا۔ کیا ہم جیسے راہ گم کردہ مسلمان کریں گے جنہوں نے نہ صرف غیر راست انداز میں دین اسلام کے اساسی اصولوں کو ترک کر دیا ہے بلکہ کفار کی مادی ترقی اور برتری سے اس قدر مرعوب و متاثر ہو گئے ہیں کہ غور وفکر، تجدد و تعقل، اسلام کی علمی و تمدنی تاریخ، اسلامی عقائد کی حقانیت اور اسلاف کے طریقہ سے اپنے عمل میں روگردانی اور اجتناب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کام ہم اپنی ظاہرہ صورت حال میں بحسن و خوبی انجام دینے کے نہ اہل ہیں اور نہ مستحق۔ لیکن اپنے باطنی احوال میں ہم ہی اس کے اہل بھی اور مستحق بھی۔ کیونکہ ہم من حیث الجماعت ملت اسلامیہ ہیں اور ملت اسلامیہ ہی کو از روئے قرآن و حدیث عالم انسانیت کی رہنمائی کا حتمی فریضہ انجام دینا ہے۔ لیکن اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے ضرور ہے کہ ہم اس دستور العمل پر غور کریں جو ایک مسلمان کو اپنی قوت و تاثیر میں اس قدر رفع کر دیتا ہے کہ وہ جب بندگان خدا کی طرف نگاہ کرتا ہے تو ان کے احوال تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہ جب کلام کرتا ہے تو سخت دلوں کو موم کر دیتا ہے۔ وہ جب دعوت دیتا ہے تو اذہان میں تفہیم کے دروازے

کھول دیتا ہے، اور عمل صالح کو زندگی میں اس قدر راسخ کر دیتا ہے کہ انسان اپنے ظاہر و باطن میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور دوسروں کے لیے رہنما ہو جاتا ہے۔ یہ دستور العمل بلا شبہہ قرآن وسنت سے مشروط ہے کیونکہ اللہ کا راستہ سب سے اچھا راستہ ہے اور بہترین عمل اتباع رسول ﷺ ہے جو اپنے مقاصد میں دعوت الی اللہ ہے۔ دعوت الی اللہ کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا، اس لیے اتباع رسول ﷺ کا حکم بھی قیامت تک کے لیے ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے لاکھوں بندگان عالی موجود ہیں جنہوں نے اتباع رسول ﷺ میں زندگی گزار کر دعوت الی اللہ کے سلسلہ کو جاری رکھا اور انہی بندگان عالی کے فیوض باطنی کا صدقہ ہے کہ ہم آج کسی حد تک اپنی منہاج حقیقی پر قائم نہ رہتے ہوئے بھی مسلمان ہیں اور بحیثیت مسلمان ملت اسلامیہ کے عروج اور غلبہ کے حوالے سے دردمندانہ غور وفکر پر مائل ہیں۔ ماضی قریب میں شاعر مشرق علامہ اقبال اپنے مطالعہ اور امت مسلمہ کے حوالے سے مسلسل غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ گئے تھے کہ اسلام کی تبلیغ ہی وہ کلید اعظم ہے جس سے غلبہ اسلام کے قلعہ پر پڑا قفل کھولا جا سکتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی شاعری بلکہ اپنے خطبات وفرمودات میں بھی بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ اگر اسلامی ممالک کو اپنے جغرافیائی وجود کو برقرار رکھنا ہے اور دنیا کے نقشے پر ایک عظیم اسلامی وحدت کے طور پر ابھرنا ہے تو ان کو اسلام کی تبلیغ بطور مشن اختیار کرنا پڑے گا۔ علماء کبار نے دعوت و تبلیغ کے لیے جہاں علم کو ضروری قرار دیا ہے وہاں عبادت و ریاضت کو بھی لازمی کہا ہے کیونکہ بغیر ریاضت ومجاہدہ کے تاثیر وتسخیر کو فروغ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ اقبال مسلم صوفیہ کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ وہ ان صوفیائے کرام کے بے حد مداح اور معترف تھے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے جسد میں نئی روح پھونکی اور زوال وانحطاط کے دور میں احیائے دین کے راستے تلاش کیے اور مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کو آراستہ کرنے میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ اپنی بصیرت اور حکمت کو نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھرپور انداز میں استعمال کیا اور اسلامی معاشرے کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ شریعت وطریقت کو ہم آہنگ کر کے اپنی تبلیغی جدوجہد اور روحانی تصرف سے انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے اور مسلمانوں کی اس انداز سے تربیت کی کہ مسلمانوں نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ غالب رہنے والا مذہب صرف اور صرف اسلام ہے۔ علامہ اقبال کے ممدوح صوفیہ میں حضرت داتا گنج بخش علی

ہجویری کا نام نامی اسم گرامی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے اس بناء پر بھی زیادہ معترف و مداح نظر آتے ہیں کہ داتا صاحب نے دعوت و تبلیغ کے لیے جو دستور العمل عوام کے سامنے پیش کیا اس سے جہاں عبد و معبود کے باہمی تعلق کو استحکام حاصل ہوتا ہے وہاں دعوت و تبلیغ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا شمار گیارہویں عیسوی کے ان ائمہ تصوف میں ہوتا ہے جنہوں نے تزکیہ نفس کی اس طرح تعلیم دی کہ برصغیر میں مسلم تخلیقی فکر کی داغ بیل پڑی۔ وہ ایک ایسے صوفی ہیں جو انسان کی زندگی میں اجتماعی انقلاب کے نقیب ہیں، ان کی تعلیمات جو یقیناً ان کی روحانی قوت و تاثیر پر دلالت کرتی ہیں، انسانی زندگی کی ہر سطح پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داتا صاحب ایک ہزار سال گزرنے کے باوجود نہ صرف اپنی تعلیمات میں زندہ ہیں بلکہ عوام کے قلوب کو بھی مسلسل مسخر کیے ہوئے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کی سوانحی تفصیلات بہت مختصر ہیں مگر اس کے باوجود اکثر تذکروں میں ایسے سوانحی اشارے ملتے ہیں جن کی بنیاد پر معاصر واقعات کو الحاقی سوانح کہا جا سکتا ہے۔ معروف دانشور اور تذکرہ نویس حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے عہد حاضر میں داتا صاحب کی سوانح میں تلاش و تحقیق کے بعد کسی قدر اضافہ کیا ہے۔ وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ برصغیر پاک و ہند کے اولین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار اقدس ان کے فیضان کی وجہ سے تقریباً ایک ہزار سال سے مرجع خواص و عام چلا آ رہا ہے اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اطراف و اکناف عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ ان کے حالات بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی کئی وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ جس زمانہ میں حضرت داتا صاحب نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی اس وقت اس خطہ میں مسلمانوں کے قدم نئے نئے جمے تھے اور ان کو پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مؤرخین نے تاریخ نویسی کا آغاز کیا انہوں نے تاریخ کو اپنے آقایان نعمت یعنی فاتحین کے گرد گھمانا شروع کر دیا اور بعد کے مؤرخین نے صرف ان بزرگوں کے حالات لکھے جن کے آستانوں پر ان کے ممدوحین کو حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن تذکرہ نویسوں

نے صرف ان نفوس قدسیہ کے حالات زندگی اور ان کی روحانی خدمات کا احاطہ کیا جن کی عوام کے دلوں پر حکمرانی تھی، ان کو حکمرانوں کی جانب سے نہ پذیرائی میسر آئی اور نہ ہی ان کی کتب کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام کیا جا سکا جس کی بناء پر اکثر ایسے قدیم تذکرے تلف ہو گئے جو ہمیں نہ صرف داتا صاحب بلکہ دیگر سلف صالحین کی حیات و خدماتؒ سے آگاہ کرتے تھے۔"

بہر حال معلوم تذکروں میں سے تذکرۃ الاولیاء میں شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ نے دو مقامات پر داتا صاحب کا تذکرہ کیا ہے جبکہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات "فوائد الفواد" میں بھی آپ کا ذکر خیر موجود ہے۔ محمد یعقوب بن عثمان غزنوی نے "رسالہ ابدالیہ" میں مولانا جامی نے "نفحات الانس" میں، شیخ احمد زنجانی نے "تحفۃ الواصلین" میں، ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں، عبدالصمد بن افضل محمد نے "اخبار الاصفیاء" میں، مولانا محمد غوثی نے "گلزار ابرار" میں، داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیاء" میں، اور مولانا بقا اور بختاور خان نے "ریاض الاولیاء" میں حضرت داتا صاحب کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کتب کو داتا صاحب کی سوانح مین قدیم ماخذ تصور کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کتب میں ایسی تفصیلات مفقود ہیں جن کی بنیاد پر داتا صاحب کا ایک جامع تذکرہ مرتب ہو سکے۔ ماضی قریب کے مصنفین میں لالہ سجان رائے، غلام علی آزاد بلگرامی، مفتی غلام سرور لاہوری اور نور احمد چشتی نے اپنی تصانیف میں کچھ حالات درج کیے ہیں اور داتا صاحب کی سوانح کے سلسلہ میں بعد میں جو تحقیقات سامنے آئیں ان کی بنیاد انہی مصنفین کی کتب اور "کشف المحجوب" میں شامل بعض روایات رہی ہیں۔ اس کے باوجود داتا صاحب کے سال پیدائش، تاریخ وصال اور لاہور میں آپ کی آمد کے بارے میں کوئی ایک رائے موجود نہیں ہے۔ محققین نے قیاساً تاریخیں متعین کی ہیں۔ انہی محققین کی متعین کردہ تفصیلات کے مطابق داتا صاحب کی کنیت "ابوالحسن" نام "علی" اور شجرہ نسب اس طرح ہے:

"حضرت مخدوم علی بن عثمان بن سید علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن بن حسین اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن حضرت علی بن ابو طالب"۔

حضرت داتا صاحب کی افغانستان کے شہر غزنی میں ۴۰۰ھ میں ولادت ہوئی۔
آپ نے کشف المحجوب میں اپنا نام یوں لکھا ہے:

''علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری''۔

جلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے، جن میں حضرت داتا صاحب کے افراد خاندان مقیم رہے۔ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ:

''داتا صاحب کے والد کی قبر غزنی میں اور والدہ کی قبر داتا صاحب کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل ہے۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد صاحبان زہد وتقویٰ تھے اور میں (دارشکوہ) نے ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت کی ہے۔''

داتا صاحب کے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی کا تذکرہ ملتا ہے کیونکہ داتا صاحب نے ''کشف المحجوب'' میں ان کا ذکر نہایت ادب واحترام سے کیا ہے۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہ علوم ظاہری وباطنی کے بحر زخار تھے اور نوجوانی میں ہی آپ کے علم وفضل کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ ''رسالہ ابدالیہ'' میں سلطان محمود غزنوی کے عہد میں غزنی کے مقام پر آپ کے ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کا ذکر ملتا ہے اور اس وقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔

حضرت داتا گنج بخش کو حضرت جنید بغدادی کے سلسلہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی سے شرف بیعت حاصل تھا جو حضرت شیخ حصری کے مرید تھے جن کو شیخ ابوبکر شبلی قدس سرہ سے ارادت وخلافت تھی۔ آپ کا سلسلہ ارادت دس وسائط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

شیخ علی ہجویری، شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی، شیخ محمد حصری، شیخ ابوبکر شبلی، حضرت جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، حضرت معروف کرخی، حضرت داؤد طائی، حضرت حبیب عجمی، حضرت حسن بصری اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

حضرت داتا صاحب جنیدی سلسلہ سے تھے اور ایک روایت کے مطابق یہ حضرت جنید بغدادی کے روحانی تصرف کا نتیجہ تھا۔ داتا صاحب کے مرشد حضرت حسن ختلی کا جب وصال ہوا تو داتا صاحب ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

''حضرت شیخ ختلی بروز وصال بیت الجن میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے جو بانیار اور دمشق کی ایک گھاٹی پر واقع ہے۔ دم رحلت آپ کا سر میری (داتا صاحب) گود میں تھا اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ اس حالت میں حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا:

''اے بیٹا! میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لو کہ تمام مواقع اور حالات میں نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے لہذا اس کے کسی فیصلہ پر کبیدہ نہ ہونا اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا۔''

حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہ کے علاوہ حضرت ابوالقاسم گرگانی، حضرت شیخ ابوالقاسم القشیری مصنف رسالہ قشیریہ، شیخ احمد حمادی سرخسی، شیخ ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی، شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابواحمد المظفر جیسے ہم عصر علماء و مشائخ سے علمی و روحانی استفادہ کا حضرت داتا صاحب نے اپنی کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو نہ صرف خاص عقیدت تھی بلکہ آپ حنفی المذہب تھے۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے امام اعظم کا تذکرہ نہایت ادب و احترام سے کرتے ہوئے آپ کو اماموں کے امام، سنیوں کے مقتدیٰ، فقہاء کا شرف اور علماء کا اعزاز کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے ملک شام میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ اطہر پر اپنے ایک خواب کا تذکرہ بھی کیا ہے جس میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ بوقت زیارت آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک بوڑھے شخص کو گود میں لیے ہوئے ہیں اور اس پر شفقت فرما رہے ہیں، آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک پر بوسہ دیا اور اس بوڑھے شخص کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابوحنیفہ ہے''۔

حضرت داتا صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے اس خواب سے خود اپنے آپ سے اور اپنے وطن والوں سے بڑی امیدیں قائم ہو گئیں اور مجھ پر اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظم ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لیے باقی و قائم ہیں۔

داتا صاحب کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی بڑی محدود معلومات موجود ہیں۔ کشف المحجوب کی روایات کے حوالے سے محققین نے نتائج اخذ کیے ہیں لیکن حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے لکھا ہے کہ:

''حضرت نے نکاح کیا تھا مگر اہلیہ جو آپ کی مزاج شناس نہ تھیں وفات پا

گئیں۔ پھر گیارہ سال تک حضرت نے دوسری شادی نہیں کی البتہ ایک ایسی عورت جسے آپ نے دیکھا بھی نہیں تھا اس کے عشق میں مبتلا ہوئے اور ایک سال تک مبتلا رہے۔ اس عشق کو آپ نے خود ابتلاء قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و فضل سے اس ابتلاء سے مجھے نجات دلا دی''۔

حضرت داتا گنج بخش کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے آپ کی دس تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں سوائے کشف المحجوب ایک کتاب بھی دستیاب نہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف کے سرقہ ہونے کے واقعات بھی کشف المحجوب میں درج کیے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتابوں کے حق تصنیف کے سرقہ ہونے کی روایت برصغیر پاک و ہند میں قدیم ہے۔ بعض کتب حضرت داتا صاحب کی طرف منسوب بھی کی گئیں ہیں لیکن ان کا انداز تحریر گواہ ہے کہ داتا صاحب کی تصانیف نہیں ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری نے اپنے دور کے علماء و مشائخ سے استفادہ اور استفاضہ کی غرض سے ممالک اسلامیہ کی سیاحت اختیار کی۔ صوفیہ کے نزدیک سفر کی صعوبتیں ایک مجاہدہ ہوتی ہیں جو مشاہدہ کو فروغ دیتی ہیں۔ داتا صاحب نے اس مجاہدہ کو حد کمال تک پہنچا کر جہاں ایک طرف اپنے مشاہدہ کو فروغ دیا وہاں مشائخ و صوفیہ کی قربت میں روحانی فیوض و برکات کی ایک ایسی دولت جمع کی جو نہ صرف آپ کے کردار میں تصویر ہو گئی بلکہ قلم کی نوک پر آ کر کشف المحجوب کی صورت اختیار کر گئی۔ کشف المحجوب جہاں حضرت داتا صاحب کے سفر نامہ کی حیثیت رکھتی ہے وہاں صوفیہ و مشائخ کے ایک ایسے تذکرہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے جو طالبان حق و ہدایت کے لیے نہ صرف ایک ہزار سال سے رہنما کردار ادا کر رہا ہے بلکہ تا قیامت عوام و خواص کے قلوب کو تصوف کی روشنی سے منور کرتا رہے گا۔ داتا صاحب غزنی سے سفر اختیار کر کے پاک و ہند کے متعدد شہروں میں گئے۔ وہاں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، عقائد، ادب اور زبان سے گہری واقفیت حاصل کی اور پھر لاہور کو اپنا مستقل مستقر قرار دے لیا۔ ایک مصنف نے لکھا ہے کہ داتا صاحب نے بے سروسامانی کے عالم میں پا پیادہ اس قدر سفر اختیار کیے کہ عام صورتحال میں کسی شخص کے لیے یہ ناممکن نظر آتا ہے: آپ نے لاہور میں اسی مقام پر روز اول قیام کیا جہاں آپ کا مزار پر انوار ہے۔ داتا صاحب کی لاہور آمد بھی کوئی حتمی تاریخ موجود نہیں ہے۔ محققین نے قیاسی طور پر مختلف تاریخیں لکھی ہیں اور ان تاریخوں کی بنا پر بعض ایسے مغالطے جزو تاریخ ہو گئے

ہیں جن کی تردید فی زمانہ محال نظر آتی ہے۔ بہرحال آپ کے مرشد حضرت حسن ختلی کے وصال کے بعد آپ لاہور تشریف لائے اور حسن ختلی کا وصال ''خزینۃ الاصفیاء'' میں ۴۵۳ھ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو داتا صاحب کی سوانحی تحقیقات میں ایک اہم حیثیت حاصل ہے کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ میں تمام ماخذ کا تقابلی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کیے ہیں اور یہ نتائج اپنے حوالہ جاتی پس منظر میں بڑی حد تک درست یا قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری داتا صاحب کی لاہور آمد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''کہ آپ نے قیام لاہور کے دوران نہایت مؤثر انداز میں تبلیغی خدمات سر انجام دیں اور ہزاروں افراد کو مسلمان کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمود غزنوی کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی لاہور میں مسلمان ایک ''حاکم قوم'' کی حیثیت میں آباد تو ہو گئے تھے اور یہاں کے کفار مسلمانوں سے بظاہر مرعوب بھی تھے لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے تا کہ حکومت کے خلاف شورش برپا کر سکیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور تشریف لانے کے بعد یہاں کے مقامی آبادی کے لاتعداد افراد داتا صاحب کی تعلیمات و تبلیغ کے سبب حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور ان کی وفاداریاں مسلم فاتحین کے ساتھ ہو گئیں۔''

داتا صاحب کی کرامتوں کا احوال بڑا تفصیل طلب ہے لہذا یہاں ہم اس سے گریز کرتے ہوئے داتا صاحب کی تعلیمات کے حوالے سے گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں تا کہ یہ بات واضح ہو سکے کہ موجودہ دور میں داتا صاحب کی تعلیمات کی اہمیت کیا ہے اور وہ کس قدر نافع ہیں۔ بعض صوفیہ نے داتا صاحب کی کتاب ''کشف المحجوب'' کو بھی داتا صاحب کی کرامت قرار دیا ہے کیونکہ وہ اسلامی تصوف میں فارسی کی پہلی کتاب تھی جو آج ایک ہزار سال بعد بھی اپنی تاثیر میں بالا اور قلوب کو مسخر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ حضرت سلطان المشائخ شاہ نظام الدین محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ نے کشف المحجوب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''جس کا کوئی مرشد نہ ہو اسے اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا۔''

مفسر قرآن علامہ محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ کشف المحجوب کے زندہ

جاوید ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ لوگوں کا رجحان مادہ پرستی کی طرف ہے اپنے اور بیگانے آج بھی اس کتاب پر تحقیق اور اس کی معیاری اشاعت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستشرقین اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کر رہے ہیں جس سے اس کتاب کی عالمگیر شہرت واہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کشف المحجوب ہمیشہ سے صوفیہ اور اہل علم کی رہنمائی کا سبب رہی ہے۔ یہ کتاب رشد و ہدایت، مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش و بہا خزانہ ہے۔ اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے مندرجات اپنی معنویت و تاثیر میں کاملین کے لیے رہنما اور عاملین کے لیے پیر کامل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کا مطالعہ کرنے سے دلوں کو عرفان وایقان کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ یہ تشکیک کے دروازہ کو بند کرتی ہے، شبہات کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کی دستگیری کرتی ہے اور گمان ناقص کو دل سے نکال کر یقین کی دنیا آباد کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے زمان و مکاں کے حجابات اٹھتے ہیں اور راہ حق کا متلاشی اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب سے قرب اختیار کرتا ہے۔ اس کے دل میں باطنی نفسانی خواہشات سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ ایک ایسے انسان کے طور پر اپنے باطن سے ظہور کرتا ہے کہ وہ خلق خدا کے لیے نافع اور خدا کے سامنے سرخرو ہو جاتا ہے۔ دور حاضر میں داتا صاحب کے افکار و تعلیمات کی اہمیت راسخ الاعتقادی اور صوفیانہ روشن خیالی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششوں پر انحصار رکھتی ہے۔ اس ہم آہنگی کو پیدا کرنے کی خاطر آپ نے شریعت اور طریقت میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قربان نہیں کیا بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک جدلیاتی اضافت کے موجود ہونے کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک شریعت اور طریقت دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہیں۔ ایک مرحلہ پر آپ نے فرمایا کہ:

"شریعت بغیر مغز حقیقت کے ایک ظاہر داری ہے اور حقیقت بغیر امتزاج شریعت کے دو عملی ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ معرفت بغیر علم شریعت کو قبول کیے درست نہیں ہو سکتی اور شریعت پر عمل بغیر مقامات رسی کے پورا نہیں ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"جسے علم معرفت نہیں اس کے قلب پر جہل کی موت طاری ہے اور جسے علم شریعت نہیں اس کا قلب مرض نادانی میں گرفتار ہے"۔

آپ نے شریعت وطریقت کے باہمی امتزاج کو روحانی ذات کی تکمیل کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے۔ گویا شریعت اور طریقت کو اگر جدا کر دیا جائے تو فرد کی روحانی ذات اپنے حتمی امکانات کے حصول میں ناکام رہتی ہے۔ داتا صاحب جامع العلوم تھے اور آپ کی جامعیت کا عالم یہ تھا کہ آپ نے اس دور کے انسان کو درپیش نفسی مسائل پر کلام کیا اور اپنے علمی میلان کی مدد سے ایک ایسا نظام حقائق وضع کیا کہ جو بنیادی مباحث کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے انسان کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیتا ہے جہاں وہ نہ صرف اپنی ذات میں دوام پا جاتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی ایک معیاری اور نافع انسان کے طور پر تاریخ میں زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ تصوف جو یقیناً ایک اسلامی روایت ہے اس کا بنیادی مقصد ہی اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفس ہے۔ علم کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بتائی گئی حقیقت کا اقرار واثبات کرتا ہے، یہ Object oriented (ادراک موجود) ہوتا ہے جبکہ تصوف انسان کی اندرونی کلیت کو گرفت میں لے کر ایک ایسی یکجائی برآمد کرتا ہے جو معرفت نفس کہلاتی ہے اور ارتفاع ذات میں معاون اور نافع ہوتی ہے۔ علم اپنی اساس میں معلوم ہوتا ہے جبکہ معرفت حقائق کا سفر لامتناہی ہوتا ہے اور معرفت حقائق جو تعقل اور تخیل کی یکجائی میں مضمر ہے دراصل ولایت کا اولین زینہ ہے اور داتا صاحب اپنی تعلیمات کے آئینہ میں ولایت کے صورت گر ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے اپنی کتاب ''سوانح حیات داتا گنج بخش لاہوری'' میں علم اور معرفت کو کشف المحجوب کے مندرجات کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''عالم اپنے علم کو اپنی زبان وقلم سے بیان کرتا ہے جبکہ عارف اپنی معرفت کو اپنے حال اور عمل سے ظاہر کرتا ہے اور داتا صاحب کی ذات میں علم اور معرفت کی یکجائی نے آپ کی زبان اور آپ کے حال کو مقبولیت کی ارفع منزل عطا کر دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ سے مل کر اور آپ سے کلام کر کے لوگوں کے قلوب کا قبلہ درست ہو جاتا تھا۔''

حضرت داتا صاحب انسان کے ظاہر وباطن کی تقسیم کو قبول کرتے ہوئے ان کو یکساں طور پر اہم قرار دیتے تھے۔ شریعت اور طریقت میں جدلیاتی اضافت کی موجودگی پر اصرار کے باوجود وہ بہت واضح الفاظ میں یہ فرماتے ہیں کہ:

''ہر حال میں اولیاء الانبیاء کے متبع و پیرو ہیں اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ تمام انبیاء لازمی طور پر اولیاء ہوتے ہیں مگر کوئی ولی نبی نہیں ہو سکتا''۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے صوفیانہ فکری نظام سے یہ بات مترشح ہے کہ وہ پہلے صوفی تھے جنہوں نے غور و فکر کو بنیاد بنا کر بذریعہ کشف انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ایک ایسی نافع صورتحال دریافت کی ہے جو اس وقت بھی اپنے اندر جدت رکھتی تھی اور آج بھی جدید ترین اذہان کو اپنا اسیر کیے ہوئے ہے۔ حضرت داتا صاحب کی تعلیمات میں عجز و انکسار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس عجز و انکسار کی ترویج میں بسا اوقات اخفائے ذات و صفات کو بھی روا تصور کرتے ہیں۔ آپ نے کشف المحجوب میں ''ملامت'' کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں فخر و تکبر کو آفت اور حجاب قرار دیا ہے اور متعدد ایسی روایات درج کی ہیں جن سے فخر و تکبر کی قباحتیں واضح ہوتی ہیں۔ اپنے مرشد کی طرح صوفیہ کی ظاہری نمود و نمائش سے متنفر رہتے تھے اور ان ظاہری رسوم کو معصیت اور ریا سے تعبیر کرتے تھے۔ داتا صاحب صوفیہ کو ایک مثالی انسان کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک ایسے انسان کے طور پر جو اپنے عمل میں خشیت الٰہی سے مملو ہو۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا جاگنا سونا سب کچھ اللہ کے لیے ہو، تاکہ وہ ہر لحہ اپنے نفس کو نظر انداز کر کے اللہ کی رضا جوئی کو اپنا مشرب حیات تصور کرتا رہے۔ داتا صاحب کے قول و عمل میں ایک ایسی ہم آہنگی اور یکجائی تھی کہ اس نے آپ کی شخصیت کو مثالی بنا دیا تھا۔ انسان کی عقلی اور روحانی زندگی میں تصوف یعنی رضائے الٰہی کے حصول کی اہمیت جہاں مسلم فلاسفہ کے نزدیک مسلم ہے، وہاں مغربی فلاسفہ نے بھی اس کی حقانیت کا اعتراف کیا ہے۔ بیسوی صدی کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تصوف کا حامی تھا کہتا ہے کہ:

''بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے''۔

داراشکوہ نے اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ داتا صاحب دن کے وقت تعلیم دیتے اور رات کو طالبان حق کو ہدایت کیا کرتے۔ آپ کی رہبری سے ہزاروں جاہل عالم بن گئے۔ کافروں نے اسلام قبول کیا، گمراہوں نے ہدایت کی راہ پائی، دیوانے ہوشمند ہو گئے، جن کا علم ناقص تھا کامل ہوئے۔ فاسق و فاجر پارسا بن گئے۔ حضرت داتا صاحب سے آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی ہزاروں مشائخ و صوفیہ نے اکتساب روحانی کیا اور اپنی راہ کے رہنما ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کے وصال کے تقریباً ساٹھ سال بعد نیشاپور سے لاہور تشریف لا کر

آپ کے مزار مبارک پر چلہ کھینچا اور آپ کے خزینۂ عرفان سے روحانیت کے زر و جواہر سمیٹے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لاہور سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے یہ شعر پڑھا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

یہ روایت عام ہے کہ اس دن سے آپ کا لقب ''گنج بخش'' مشہور ہو گیا۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری کے وصال کی تاریخ کے سلسلے میں بھی مختلف آراء موجود ہیں لیکن حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تحقیق کے مطابق حضرت داتا صاحب کا انتقال ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ میں ہی قرین صحت سمجھا جا سکتا ہے۔ ویسے ۴۶۵ھ کو سال وصال کی حیثیت میں عام شہرت حاصل ہے۔ آپ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے۔ اور ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم نے ہی پہلی مرتبہ آپ کا مزار مبارک تعمیر کرایا تھا۔

کوئی مذہب اس وقت تک وسیع الاشاعت نہیں ہو سکتا اور اپنی قوت و تاثیر کا مکمل نفاذ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دعوت و تبلیغ کو فروغ نہ دے۔ لہذا تمام مذاہب میں دعوت و تبلیغ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن اسلام اپنی تعلیمات کی بنا پر واحد مذہب ہے جس نے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ نہ صرف عالمگیر حیثیت حاصل کی بلکہ عملی طور پر انسانیت کو یہ باور کرایا کہ انسان کی ظاہری اور باطنی فلاح اور خوشحالی صرف اور صرف اسلامی تعلیمات میں مضمر ہے۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری کی حیات و خدمات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ایک مثالی مسلمان کی حیثیت میں دعوت و تبلیغ کو اپنایا اور ہزاروں افراد کو نہ صرف دائرہ اسلام میں داخل کر کے بلکہ ان کو ایک مثالی مسلمان بنا کر برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی حقانیت کا بول بالا کیا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال جو دعوت و تبلیغ کی اہمیت سے پورے طور پر واقف تھے اور عالمی طور پر مسلمانوں کی ابتری کا آج سے ایک صدی قبل بغور جائزہ لے رہے تھے ان کا بھی خیال یہی تھا کہ:

''اگر مسلمان دنیا پر اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں تو وہ معرفت الٰہی کے حصول پر توجہ دیتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کریں، کیونکہ تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں

۸۵۴۵۸

پر مقدم ہے"۔

علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ:

"جانفشانی سے تبلیغ کے کام کا اجر حضور سرور کائنات حضرت مصطفیٰ ﷺ ہی دے سکتے ہیں۔ حفاظت اسلام کا مقصد اشاعت اسلام سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اشاعت اسلام کے ذریعے جب ہم اسلام کی حفاظت کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق ہم کو دوسروں پر غلبہ عطا کرے گا۔"

علامہ اقبال نے یہ مؤقف دراصل ان صوفیہ کے طریقہ تبلیغ سے اخذ کیا تھا جنہوں نے ہندوستان میں مسلم فاتحین کی آمد کے بعد اشاعت اسلام سے حفاظت اسلام کا فریضہ انجام دیا تھا اور ان صوفیہ کے سردار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری ہیں جن کی تعلیمات نہ صرف اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کرتی ہیں بلکہ ایک انسان کو مثالی مسلمان بنانے کا دستورالعمل بھی فراہم کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانے والوں میں شامل کرے تاکہ ہم کو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو سکے۔ (آمین)

ماخذ و مراجع

۱۔ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، کشف المحجوب
(ترجمہ مع مقدمہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری) (لاہور۔ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)

۲۔ اعجاز الحق قدوسی اقبال کے محبوب صوفیہ (لاہور، اقبال اکادمی: ۱۹۷۶ء)

۳۔ رحمان علی، مولوی تذکرہ علماء ہند (اردو ترجمہ) (کراچی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۶ء)

۴۔ سید محمد اسلم غزالی حضرت داتا گنج بخش ہجویری (کراچی، نشرح فاؤنڈیشن ۱۹۹۹ء)

۵۔ شیخ فریدالدین عطار تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) (لاہور، الفاروق بک فاؤنڈیشن ۱۹۹۷)

۶۔ فضل دین گوہر، علامہ کشف المحجوب (مقدمہ پیر محمد کرم شاہ الازہری)
(لاہور۔ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء)

۷۔ فقیر محمد جہلمی حدائق الحنفیہ۔ (لکھنؤ: مطبع نامی نول کشور: ۱۸۸۹ء)

۸۔ قاری احمد پیلی بھیتی سوانح حضرت داتا گنج بخش لاہوری (کراچی، امین برادرز ۱۹۶۸ء)

۹۔ محمد طفیل نقوش "آپ بیتی نمبر" (حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی مرتبہ داتا صاحب کی آپ بیتی)
(لاہور، ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۴ء)

۱۰۔ محمد منور، پروفیسر مقالات جشن اقبال صدی (لاہور، جامعہ پنجاب ۱۹۸۲ء)

۱۱۔ محمد وارث کامل تذکرہ اولیائے لاہور (کراچی، مکتبہ ماحول ۱۹۶۳)

۱۲۔ نواب معشوق یار جنگ اخبار الصالحین (لاہور، ملک اینڈ کمپنی ۱۴۰۴ھ)

۱۳۔ مولوی محمد شفیع؛ پروفیسر مقالات دینی و علمی (حصہ اول) (لاہور، پاکستان ریلوے سروس ۱۹۷۰ء)

۱۴۔ میاں محمد دین کلیم قادری سوانح حیات حضرت داتا گنج بخش (لاہور، نوری کتب خانہ ۱۹۹۵ء)

۱۵۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر تاریخ تصوف (لاہور، دارالکتاب، سن ندارد)

حضرت

داتا گنج بخش قدس سرہ

۱

یہ پانچویں صدی ہجری کی بات ہے، حضرت سیدنا بلال ﷺ کے مزار مبارک پر سرہانے کی جانب ایک طالب علم محو عبادت تھا، اللہ تعالیٰ کا کرنا، اسی دوران اس پر غنودگی سی طاری ہوئی اور ساتھ ہی اس کا نصیبہ جاگ اٹھا۔ خواب میں دیکھا کہ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین ﷺ تشریف لائے ہیں، ان کے ساتھ ایک ضعیف العمر شخص بھی ہے، طالب علم نے سرکار والا تبار ﷺ کو دیکھا تو فوراً قدموں میں گر پڑا، پھر نہایت ادب سے پوچھا:

''یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ کے ہمراہ یہ کون ہیں؟

فرمایا: یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے، اس کا نام ابوحنیفہ ہے۔''

اس کرم بے پایاں کے بعد طالب علم کی آنکھ کھل گئی، قلب و ذہن پر ایک کیفیت طاری تھی، زبان پر درود شریف کا ورد جاری تھا، حضور پرنور، شافع یوم نشور ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کے ساتھ امام کا سابقہ سن کر طالب علم کے دل میں امام کی محبت اور بڑھ گئی، اور اس نے طے کرلیا کہ آئندہ زندگی فقہی مسائل میں وہ انہی کی پیروی کو اپنے اوپر لازمی قرار دے گا۔

یہ طالب علم جس پر رویا میں رحمت عالم، نور مجسم، فخر آدم و بنی آدم ﷺ نے انتہائی کرم فرمایا تھا، غزنی (افغانستان) سے حصول علم کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا شام میں پہنچا تھا، اس کا نام علی بن عثمان الجلابی الغزنوی ثم الہجویری تھا جو بعد میں حضرت داتا گنج بخش کے نام نامی سے پوری دنیا میں معروف ہوا۔ (۱)

حضرت داتا گنج بخش کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ ۴۰۰ھ میں غزنی میں پیدا ہوئے، پہلے محلہ جلاب پھر محلہ ہجویر میں رہے، ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، اس کے بعد دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ شام،

عراق، فارس، کوہستان، آذربائجان، طبرستان، خُوذستان، خراسان، بخارا، اور ماوراء النہر وغیرہ تشریف لے گئے اور وہاں نامور علمائے کرام اور مشائخ عظام کی خدمت میں حاضری دے کر علوم ظاہر و باطن کی تکمیل کی۔

دوران سفر ملک شام میں حضرت داتا صاحب کی ملاقات حضرت شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی سے ہوئی جو سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت صاحب اس دور کے شیخ کامل اور ولایت کے بلند درجہ پر فائز تھے۔ آپ ان کی بلند پایہ شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ حضرت داتا صاحب اپنے پیر طریقت کے متعلق ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''طریقت میں میری اقتداء آپ ہی کے ساتھ ہے، تفسیر، حدیث اور تصوف تینوں کے آپ عالم تھے، تصوف میں آپ حضرت جنید کے مذہب پر تھے۔ حضرت شیخ حضرمی کے مرید اور حضرت سروانی کے مصاحب تھے، ساٹھ سال تک مخلوق سے گم اور پہاڑوں میں گوشہ نشین رہے۔ زیادہ تر قیام جبل لکام پر رہتا تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ بارعب اور صاحب ہیبت کوئی شخص نہیں دیکھا۔''(۲)

اس کے بعد حضرت داتا گنج بخش نے اپنے مرشد کی وسعت علم کے متعلق ایک واقعہ لکھا، حضرت کی اس تحریر کا اردو ترجمہ جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد کے قلم سے نذر قارئین ہے:

''ایک مرتبہ میں آپ کو وضو کرانے کے لئے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک آزاد آدمی ہوں، آخر میں ان پیروں کی کیوں غلامی کروں جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا جو خیال تیرے دل میں پیدا ہوا ہے، میں اسے جانتا ہوں، ہر کام کا ایک سبب اور ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ خدمت اور ملازمت آدمی کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ حق تعالیٰ چاہتا ہے تو ایک سپاہی زادے کو تاج شاہ پہنا دیتا ہے۔''(۳)

میاں صاحب نے اس واقعہ کے متعلق کوئی وضاحتی نوٹ تحریر نہیں کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرت داتا صاحب کے اس عقیدہ سے متفق ہیں کہ اللہ

کے نیک بندے لوگوں کے خیالات اور دل کے حالات سے بخوبی باخبر رہتے ہیں، نیز بزرگوں کی غلامی اختیار کرنے سے ہی کچھ مل سکتا ہے، جو لوگ بزرگوں کی صحبت میں رہنے کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں، انہیں دنیاوی فوائد تو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن ان کے خاتمہ بالخیر کے متعلق وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔

کشف المحجوب کا جو اردو ترجمہ میاں طفیل محمد نے کیا ہے، اس کے متعلق اہل علم کے تاثرات اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔ البتہ ہم مذکورہ واقعہ کی مناسبت سے صرف یہ عرض کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی اور ادارہ ''اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور'' اس ترجمہ کو مسلسل چھاپ کر ملک بھر میں قارئین تک پہنچا رہا ہے، جون ۱۹۷۷ء تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اس لئے توقع یہی کی جا سکتی ہے کہ یہ مترجم ''کشف المحجوب'' جماعت اسلامی کے اکثر رہنماؤں اور ارکان کے پاس نہ صرف موجود ہوگی بلکہ انہوں نے اس کا مطالعہ بھی کیا ہوگا اور وہ اپنے محبوب قائد میاں طفیل محمد اور حضرت داتا صاحب کے اس خیال سے اتفاق کرتے ہوں گے کہ بزرگان دین اپنے پروردگار کے عطا کردہ علم کی بدولت دلوں کے بھید جانتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے ہی ہر مسلمان کی عاقبت سنور سکتی ہے بلکہ غیر مسلم بھی ان کی نگاہ کرم سے دامن اسلام میں پناہ لے کر دوزخ کی آگ سے بچ سکتے ہیں۔ اگر ہمارا یہ اندازہ درست ہے تو بعض خامیوں کے باوجود ہم میاں صاحب کے ترجمے کے اس خوشگوار اثر کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے، یہاں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، زیادہ تر ہندوؤں کے مذہبی رہنما چھائے ہوئے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تبلیغ دینِ اسلام کا کام شروع کر دیا اور بے شمار لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرایا۔ پروفیسر غلام سرور رانا رقمطراز ہیں:

''سب سے پہلے جس غیر مسلم کو آپ ﷺ نے حلقہ بگوش اسلام کیا وہ والی کابل کی طرف سے پنجاب کا نائب حاکم رائے راجو تھا جو ہندو تھا۔ آپ نے اسے فیض سے مستفید فرما کر شیخ ہندی کے لقب سے نوازا، اس کی نسل کئی صدیوں تک مزار

عالیہ کی متولی رہی، آپ کے کوئی اولاد نہ تھی، قبول اسلام کے بعد شیخ ہندی ایک عظیم مبلغ بن گئے۔ اب ان کی شب و روز عبادت و ریاضت اور مجاہدات میں بسر ہونے لگے، موصوف ممدوح نے ساری زندگی حضور داتا گنج بخش ﷺ کے قدموں میں گزار دی اور وہ روحانی فیض حاصل کیا جو اپنی مثال آپ ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ (۴)

حضرت داتا گنج بخش ۹ محرم الحرام ۴۶۵ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، مزار مبارک لاہور میں ہے۔ ۹ محرم الحرام کو ہر سال غسل کی تقریب ہوتی ہے اور آپ کی وفات کے چالیسویں دن ۱۹ اصفر المظفر کو ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عرس منعقد ہوتا ہے جس میں لاکھوں خوش نصیب مسلمان شریک ہوتے ہیں۔

مخالفین اہل سنت کا نقطہ نظر

موجودہ دور میں بعض لوگ بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرنے اور دیگر کئی باتوں کو نہ صرف خود تسلیم نہیں کرتے بلکہ سادہ لوح مسلمانوں کو منع بھی کرتے ہیں۔ یہ بدنصیب افراد قرآنی آیات اور احادیث کی خود ساختہ تشریح کر کے کہا کرتے ہیں کہ جو کام حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہ کیا ہو، وہ بدعت مذمومہ ہے اور اس پر عمل پیرا لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (نعوذ باللہ من سوء العقائد)، بظاہر ان کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے، ہم خود بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جو کام قرآن و سنت سے متصادم ہو، وہ قطعی طور پر ناجائز ہے لیکن ہر نئی بات کو بدعت قرار دینا شرعی لحاظ سے ٹھیک نہیں، مثلاً اسلام کے دور اول میں عرس رائج نہیں تھا لیکن چونکہ اس کے منع ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں اور اس سے دین اسلام کو تقویت بھی پہنچتی ہے، اس لئے اسے بدعت کہنا کسی طرح بھی درست نہیں، ہماری اس رائے کی تصدیق مخالفین اہل سنت کے ان فتاویٰ سے بھی ہوتی ہے۔

☆ ہر نیک کام کو جو نبی کریم ﷺ سے ثابت نہ ہو، بدعت کہہ دینا درست نہیں۔ مولوی احمد علی لاہوری (۵)

☆ کسی فعل کو بدعت مذمومہ قرار دینے کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا تھا۔ لغت کے اعتبار سے تو ضرور ہر کام بدعت ہے مگر شریعت کی اصطلاح میں جس بدعت کو ضلالت قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد وہ نیا کام ہے جس کے لئے شرع میں کوئی دلیل نہ ہو، جو شریعت کے کسی قاعدے یا حکم سے متصادم ہو، جس سے کوئی ایسا فائدہ حاصل کرنا یا کوئی ایسی مضرت دفع کرنا متصور نہ ہو جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے، جس کا نکالنے والا اسے خود اپنے اوپر یا دوسروں پر اس ادعاء کے ساتھ لازم کر لے کہ اس کا التزام نہ کرنا گناہ اور کرنا فرض ہے، یہ صورت اگر نہ ہو تو مجرد اس دلیل کی بنا پر کہ فلاں کام حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوا، اسے "بدعت" بمعنی ضلالت نہیں کہا جا سکتا۔ (۶)

☆ ذرا یہ بھی دیکھئے کہ اصول شریعت میں امت کے تعامل کی کیا قدر و قیمت ہے، جمعہ کی چھٹی امت مسلمہ کا ایک قدیمی رواج بن چکا، اس پر تمام ممالک اسلامیہ میں عرصہ دراز سے عمل چلا آ رہا ہے، لہذا کون ہوشمند یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا شعار اور ان کے تمدن کی ایک علامت نہیں بن چکا؟ ۔۔۔ رہا قرآن و حدیث میں نہ ہونا تو حضور، قرآن و حدیث میں کیا کیا ڈھونڈیں گے، کیا مسجدوں کے مینار قرآن و حدیث میں آئے ہیں؟ کیا پاجامہ اور شیروانی کا حکم قرآن و حدیث میں ملتا ہے۔ (۷)

☆ سوال: کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

جواب: قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر و خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی (۸)

☆ سوال: "نعلین چوبی" کو مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے بدعت لکھا ہے:

''اتخاذ النعل من الخشب بدعة كما فی القنية و الحمادية''۔
اس کا وہی مطلب ہے جو حضور نے فرمایا ہے یا یہ کتب غیر معتبر سے ہیں یا اس عبارت کی اور کوئی تاویل ہو سکتی ہے؟
جواب: کسی وقت میں ناجائز تھی، اب درست ہو گئی کہ عام استعمال اس کا ہو گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی (۹)

وہ لوگ جو عرس اور اس قسم کے دوسرے امور کو بدعت ضلالت کہتے ہیں اور امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کو ان کا موجد قرار دیتے ہیں، یہ محض ان کی غلط فہمی اور تاریخ اسلام سے عدم واقفیت ہے ورنہ یہ چیزیں زمانہ قدیم سے جاری ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جنہیں مخالفین بھی اپنا پیشوا مانتے ہیں، رقمطراز ہیں:

''خواجہ خرد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کبھی کبھار خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرس کرتے تھے، حضرت والد صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس آکر کہتا ہے کہ چاول میرے ذمہ، دوسرا آکر کہتا ہے، گوشت میرے ذمہ، تیسرا آکر کہتا ہے کہ فلاں قوال کو میں لاؤں گا، اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے، خواجہ خرد اس میں کوئی تکلیف نہیں کرتے تھے۔''(۱۰)

اکابر علمائے دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عرس کو جائز قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''لفظ عرس ماخوذ اس حدیث سے ہے'' نم کنومة العروس ''یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر کیونکہ موت مقبولان الٰہی کے حق میں وصال محبوب حقیقی ہے، اس سے بڑھ کر کون سی عروسی ہو سکتی ہو گی۔ چونکہ ایصال ثواب بروح اموات مستحسن ہے، خصوصاً جن بزرگوں سے فیض و برکات حاصل ہوئے ہیں، ان کا زیادہ حق ہے، ادھر اپنے پیر بھائیوں سے ملنا موجب ازدیاد محبت و ترزاید برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی، بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں، انہیں جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار کر

لے، اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلہ کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں، باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے، یہ مصلحت ہے تعین یوم میں، رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، ان کا اظہار ضروری نہیں۔" (۱۱)

یہی وجہ ہے کہ مخالفین اہل سنت کے اکابرین عرس کی تقریبات میں بلا تکلف شرکت کرتے تھے:

☆ فرمایا (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کہ ایک دفعہ میں (خواجہ) عبد القدوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس میں انبیٹہ آیا تھا، ختم عرس کے دن میں اور مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی رشید احمد صاحب گنگوہ شریف میں ایک دوست کے مکان میں مقیم ہوئے۔ (۱۲)

☆ کچھ عرصہ سے مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری اور محمد قاسم صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند، یو۔ پی (۱۳) وعظ کے سلسلہ سے عرس کے موقع پر درگاہ سید سالار مسعود غازی پر تشریف لاتے ہیں اور درگاہ میں جو عام لنگر جاری ہوتا ہے، اس میں سے کھاتے ہیں اور ایک سو روپیہ نذرانہ وصول کرتے ہیں، رقم جو نذرانے کے طور پر لیتے ہیں اور جس سے لنگر پکتا ہے، وہ سب چڑھاوے کی آمدنی ہوتی ہے۔۔ امسال عرس کے موقع پر تو کمال ہی ہو گیا، وہ یہ کہ مزار پر مولانا محمد قاسم صاحب خود چڑھاوا چڑھوا رہے تھے۔ (۱۴)

مولوی سعید احمد اکبر آبادی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس مبارک کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حضرت مجدد کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ماہ صفر میں ہوا تھا، اس تقریب سے اسی مہینہ میں ہر برس یہاں عرس ہوتا ہے، جس میں ہندوستان پاکستان اور افغانستان سے کثرت سے عقیدت مند جمع ہوتے ہیں اور تین روز تک یہاں صلوٰۃ وسلام، تلاوت کلام مجید اور ایصال ثواب میں مشغول رہتے ہیں اور دامان مراد وتمنا بھر بھر کے واپس ہوتے ہیں، اس درگاہ کے سجادہ نشین اتباع شریعت، نیکی اور تقویٰ،

طہارت میں اپنی مثال آپ ہیں، یہ سب مہمانوں کی ضیافت اور آؤ بھگت اس فراخ دلی اور خوش طبعی سے کرتے ہیں جو یہاں سے واپس ہوتا ہے، جناب موصوف کے لئے شکر گزاری کے جذبات سے پر ہوتا ہے، عرس میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں لیکن کیا مجال کہ کسی کی کوئی چیز جگہ سے بے جگہ ہو جائے یا کسی کو کوئی شکایت یا تکلیف ہو، یہ بھی دراصل فیض ہے، اس صاحب مزار کا جو عالم کی مہمانی اور ضیافت کے لئے آیا تھا، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ۔" (۱۵)

یہ بیان کسی سنی عالم دین کا نہیں بلکہ ان کے ایک مخالف "مولانا" کا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی روح پرور اور ایمان افروز تقریب کو کوئی بھی کلمہ گو ناجائز قرار نہیں دے سکتا لیکن غیر ملکی سرمائے کی چمک دمک نے بعض لوگوں کو لفظ "عرس" کے استعمال کو ترک کرنے پر مجبور کر دیا ہے، البتہ جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر عوام سے رابطہ برقرار رکھنے کی خاطر اکابرین کے ایام منانے کی تلقین کرتے ہیں اور عرس کے بجائے "یوم"، "کانفرنس"، "سیمنار" اور "اجتماع" جیسے الفاظ اپنا کر خلفائے راشدین اور اپنے بزرگوں کی یاد میں جلسے منعقد کرتے رہتے ہیں:

☆ ملک میں دینی مزاج کو برقرار رکھنے کے لیے اسلامی اکابر و رجال کی ولادت و وفات کے دن منائے جائیں اور ملک بھر میں اسلامی ذکر و اذکار کی ایک ایسی لہر دوڑا دی جائے کہ لادین طاقتیں اختلاج قلب کا شکار ہو کر دم توڑ دیں۔

شورش کاشمیری (۱۶)

☆ خلفائے راشدین کے دن سرکاری طور پر منائے جائیں۔

حق نواز جھنگوی (۱۷)

☆ ۱۸ ربیع الاول کو یوم شیخ الہند منایا جائے۔ حافظ گلزار احمد آزاد (۱۸)

☆ قادر پور راں میں مدرسہ مبارک الاسلام کی جامع مسجد میں ۹ جنوری کو یوم مولانا قاسم نانوتوی منایا جائے گا۔ (۱۹)

☆ جناح ہال لودھراں میں یوم بخاری کی تقریب منعقد ہوئی، صدارت مولانا میاں محمد نے کی۔ (۲۰)

☆لاہور میں علماء (دیوبند) کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا یوم وفات ۱۱ جنوری ۱۹۸۰ء کو پورے اہتمام سے منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ (۲۱)

☆ انجمن فرزندان اسلام سٹیلائٹ ٹاؤن جھنگ کے زیر اہتمام یوم شیخ القرآن کے سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ (۲۲)

☆ جمعیت علمائے اہل حدیث یوتھ فورس کے زیر اہتمام مؤرخہ ۷/اپریل بروز جمعۃ المبارک سہ پہر جامع مسجد شہداء ریگل چوک لاہور میں علامہ احسان الٰہی ظہیر کانفرنس ملک کی ممتاز سیاسی اور علمی شخصیت فاروق احمد قریشی کی زیر صدارت منعقد ہو رہی ہے۔ (۲۳)

☆ ۱۳/اکتوبر ۱۹۸۴ء کو سپارک بروک اسلامک سنٹر برمنگھم کے زیر اہتمام مفکر اسلام مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی یاد میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ (۲۴)

☆ ایم ایس اے، کے زیر اہتمام ٹورنٹو میں سید ابو الاعلیٰ مودودی کی یاد میں ایک عظیم سیمنار منعقد ہوا۔ (۲۵)

☆اس تفصیل سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ عرس کے سلسلہ میں اہل سنت اور ان کے مخالفین کے مابین الفاظ کے اختلاف کے علاوہ مکمل اتفاق رائے موجود ہے، اگر اہل سنت عرس کا لفظ چھوڑ کر ''برسی''، ''کانفرنس'' یا سیمنار جیسے الفاظ اپنانے پر رضامند ہو سکتے ہیں تو سرے سے کوئی اختلاف رہے گا نہیں، اگر نہیں، تب بھی دونوں فریق اپنی اپنی پسند کے الفاظ استعمال کر کے ایک ہی جیسے کام کرتے رہیں، ہوسکتا ہے کہ مالی امداد بند ہو جانے کے بعد یہ عارضی اختلاف ختم ہو جائے۔

مزارات پر حاضری

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں:

''ہم دیوبندیوں اور دوسرے علماء میں اختلاف خیال کو جس کا جی چاہے، جہاں تک چاہے، پھیلا دے، حقیقت یہ ہے کہ ہم احترام اولیاء اور مزارات کے سلسلہ

میں سب کچھ وہی کرتے ہیں جو دوسرے کرتے ہیں، سوائے سجدہ کے۔'' (۲۶)

ہماری نظر میں قاری صاحب کا یہ بیان آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن افسوس کہ گنتی کے چند ایسے کم فہم افراد بھی موجود ہیں جو ایک حدیث شریف کی غلط تشریح کر کے کسی مزار کی جانب سفر کرنے کرنے تک کو ناجائز کہتے ہیں، ان بدقسمت لوگوں کا رد کرتے ہوئے مفتی محمود صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث میں آتا ہے: ''لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد''، اس حدیث سے کچھ لوگ تو استدلال کرتے ہیں کہ کسی قبر کی زیارت کے لئے بھی سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے، چونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمادیا کہ تم سفر مت کرو مگر تین مسجدوں کی طرف، چنانچہ وہ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مزار اقدس کی طرف بھی سفر کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن ہم ایسے نہیں۔

''لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد '' کہ تم سفر مت کرو مگر تین مسجدوں کی طرف، اس سے مراد مطلق سفر نہیں ہے، آخر تم تجارت کے لئے سفر کرتے ہو، عزیز و اقارب سے ملاقات کے لئے سفر کرتے ہو، بہت سے مقاصد جن کے لئے تم سفر کرتے ہو، ان سے کسی کو بھی نہیں روکا گیا اور نہ ممنوع ہے، یہ اصل میں بحث مسجدوں کی ہے، الا الی ثلاثة مساجد، یہ الا استثناء ہے لیکن کس سے استثناء؟ مسند امام احمد بن حنبل میں یہی روایت موجود ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں، لا تشد الرحال الی مسجد ليصلي الا الی ثلاثة مساجد، کہ تم رخت سفر کسی مسجد کی طرف مت باندھو تاکہ اس میں جا کر نماز پڑھی جائے مگر تین مسجدوں میں تم نماز پڑھنے کے لئے تم سفر کر سکتے ہو، یہ مسجدوں کا مسئلہ ہے اور کسی مقصد کے سفر سے اس حدیث کا تعلق نہیں ہے۔'' (۲۷)

کچھ انتہا پسند حضرات ایسے ضرور موجود ہیں جو بزرگان دین سے ان کی زندگی میں یا بعد وصال کسی قسم کا تعلق رکھنے کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں لیکن ان کے ہم مسلک لوگوں کی اکثریت اس رویہ سے متفق نہیں، دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی محمد

قاسم نانوتوی اور اس کے زیادہ تر مقلدین اللہ کے نیک بندوں کے آستانوں پر بلا جھجک حاضری دیتے ہیں:

☆ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے لئے کلیر شریف جاتے تو رڑکی سے پانچ میل پا پیادہ ننگے پیر سفر فرماتے، ظاہر ہے کہ شریعت کی نصوص میں اس قسم کا کوئی امر موجود نہیں مگر متبعین اوامر کا ذوقی اور وجدانی جذبہ ہے جو ان کی ذات کی حد تک انہیں ان آداب پر مجبور کرتا تھا۔ (۲۸)

☆ مولوی محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان لکھتے ہیں:

''بغداد میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر جو قلبی سکون اور انوار و برکات محسوس ہوئے وہ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے۔'' (۲۹)

مخالفین اہل سنت اپنے بزرگوں کے مزارات کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ وہاں ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے:

قاری محمد طیب مولوی حسین احمد دیوبندی کے مزار کی رونق کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

''جو مقبولیت زندگی میں تھی، وہی موت کے بعد بھی رہی اور باقی ہے، مزار ہر وقت زیارت گاہ بنا رہتا ہے حتیٰ کہ رات کو ایک ایک بجے بھی جانے والے گئے تو مزار پر لوگوں کو پایا''۔ (۳۰)

مذکورہ لوگ اپنے بزرگوں کے ''مزارات'' پر بھی وقتاً فوقتاً حاضری دیتے ہیں اس سلسلہ میں چند شواہد پیش خدمت ہیں:

☆ کوئی دن نہیں گزرتا کہ ان (عبیداللہ انور) کی قبر پر حاضری نہ دی جائے (۳۱)

☆ ہم نے اس سفر میں بزرگوں کے مزارات پر بھی حاضری دی، مثلاً تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے صاحبزادگان، دیوبند میں حضرت انور شاہ کاشمیری حضرت مولانا حسین احمد مدنی، اور شیخ الہند، حضرت قاری محمد طیب صاحب، وہ تمام بزرگان دین

جن کے اسمائے گرامی آپ سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں۔(۳۲)

☆ راولپنڈی ۱۵ر جولائی (نمائندہ خصوصی) دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب، مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی اور دیگر دیوبندی علمائے کرام کا قافلہ جلوس کی شکل میں بالاکوٹ پہنچا، جہاں انہوں نے سید شاہ اسماعیل شہید اور دوسرے شہداء بالاکوٹ کے مزارات پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی، مولانا طیب نے کہا کہ۔۔۔ شہدائے بالاکوٹ کے مزاروں پر حاضری دینا میرے لئے باعث سعادت ہے۔(۳۳)

مجاور

اسلامی جمہوری اتحاد کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے امیدوار قومی اسمبلی حلقہ نمبر ۸۷ چوہدری نذیر احمد خان نے کہا کہ کچھ لوگ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہوں اور کامیاب ہوکر پکی قبروں پر بلڈوزر چلوادوں گا، میں اعلان کرتا ہوں کہ میرے مخالفین اپنی پکی قبریں بنوا کران کی حفاظت کے لئے اگر مجھے ملازم رکھ لیں تو میں ان پکی قبروں کی حفاظت کروں گا۔(۳۴)

مزارات پر مراقبے

کسی بزرگ کے مزار پر مراقبہ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، یہ مولوی عبدالقادر رائے پوری کی زبانی سنئے:

''بعد زمانہ کی وجہ سے صحبت کمزور ہوگئی ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اہل اللہ نے ذکر اور اذکار اور مراقبہ جاری کیا جو کہ بالہام الٰہی اولیاء پر منکشف ہوئے''۔(۳۵)

☆ ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے حضرت مخدوم شیخ علی صابر پیران کلیری کے مزار پر مراقبہ کیا، ہمارے دل میں تو یہی آواز آئی کہ ''اپنا کرنا اور اپنا بھرنا''۔(۳۶)

☆ (مولوی احمد علی لاہوری) جہاں کہیں تشریف لے جایا کرتے تھے، اولیاء کرام کے مزارات معلوم کر کے وہاں ایصال ثواب کے لئے تشریف لے جاتے

اور کہیں مراقبہ بھی فرمایا کرتے تھے۔(۳۷)

☆ ابوالحسن بارہ بنکوی مولوی حسین احمد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت دیر تک بیٹھے روتے رہے، پھر حکیم صاحب کے ایماء پر قطب عالم حضرت گنگوہی کی قبر مبارک پر جا کر کچھ دیر تک مراقب رہے اور اس کے بعد بیعت کا عام سلسلہ جاری ہو گیا۔"(۳۸)

☆ نسبت چشتیہ، پس اس کا بیان اس طرح ہے کہ ایک دن آپ (سید احمد) حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز کی مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے، اس اثناء میں ان کی روح پرفتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتدائے حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔(۳۹)

حیات بعد وفات

علماء دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ اہل قبر ہماری باتیں سنتے ہیں:

☆ عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیان ہے:

"انبیاء علیہم السلام قبروں کے اندر باہر کی باتیں یا درود وسلام سنتے ہیں، تو کسی کو اختلاف نہیں، سب مانتے ہیں کہ وہ سنتے ہیں، البتہ اور مردوں کے سننے اور نہ سننے میں اختلاف نقل کیا جاتا ہے، اگرچہ جمہور امت کی رائے یہی ہے کہ مردے سنتے ہیں۔(۴۰)

☆ ہمارے بزرگوں کا عقیدہ ہے کہ (مردے ہماری باتیں) سنتے ہیں۔ مفتی عبدالرحمٰن جامعہ اشرفیہ، لاہور۔(۴۱)

☆ مزار حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حاضر ہو تو کچھ اس ناکارہ کے واسطے بھی خیال رکھنا اور زبانی مزار مبارک پر بہ نشان نام سلام عرض کر دینا۔(۴۲)

مخالفین اہل سنت کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کے اور اصل بزرگان دین بعد وفات

بھی زندہ ہوتے ہیں:

☆ ان گنت تو ایسے ہیں، جن کی قبروں کے نشانات تک کا پتہ نہیں، پر ایسوں کی بھی کمی نہیں کہ بے شک ان کی قبریں معدوم ہو جائیں، پر وہ نہیں مٹتے، نہیں مرتے، زندہ رہتے ہیں اور ایسے کہ ''زندگی'' میں بھی ایسے زندہ نہ تھے۔ (۴۳)

☆ مولوی مسیح اللہ خان خلیفہ مولوی اشرف علی کہتے ہیں:

''ظاہری طور پر کہا جاتا ہے کہ انتقال ہو گیا، درحقیقت وہ انتقال کے بعد بھی خاص حیات کے ساتھ زندہ رہتے ہیں، آخر ان کے مزارات سے صاحب استعداد حضرات استفادہ کیوں کئے جاتے ہیں اور ان کو فیوض کیوں حاصل ہوتے ہیں، وجہ یہی ہے کہ اس عالم سے منتقل ہونے کے بعد بھی ان کو ایک قسم کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔'' (۴۴)

☆ جناب معروف شاہ شیرازی مولانا مودودی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سید مودودی زندہ ہیں، زندہ رہیں گے، وہ مر چکا جس نے انہیں نہ پہچانا۔'' (۴۵)

☆ حافظ محمد ضامن صاحب کی قبر پر ایک صاحب فاتحہ پڑھ رہے تھے کہ ان کی ظرافت نے کرامت بن کر قبر سے آواز دی کہ:

''ارے میاں، ہم تو زندہ ہیں، مردہ نہیں۔'' (۴۶)

دیوبندی حضرات کے صاحب قبر تو اپنے معتقدین سے گفتگو بھی فرماتے ہیں:

''علامہ افغانی نے (احمد علی لاہوری سے) دریافت فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ سید صاحب جو شیخ اور مرشد ہیں، کی قبر پر انوار مولانا شہید کی قبر کی نسبت کم معلوم ہوتے ہیں، حضرت نے فرمایا، ہاں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے صاحب قبر سے دریافت کیا تو اس نے کہا، میں سید احمد شہید نہیں ہوں، میرا نام سید احمد ہے، میں مولانا شہید کا مرشد نہیں ہوں، لوگوں نے مولانا شہید کی قبر کے قریب ہونے کی وجہ سے غلط فہمی کی وجہ سے مجھے سید صاحب سمجھ لیا ہے۔'' (۴۷)

اولیاء اللہ چونکہ وصال کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں، اس لئے ان سے کرامات کا صدور ہوتا ہے، انہیں تصرف کی قوت حاصل ہوتی ہے بلکہ اصل حکمران

وہی ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں مخالفین کی تحریروں سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

☆ مولوی محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

''کرامت موت کے بعد بھی ہو سکتی ہے''۔ (۴۸)

☆ تصرفات و کرامات اولیاء اللہ بعد ممات بحال خود باقی می ماند بلکہ در ولایت بعد موت ترقی می شود، حدیثے کہ ابن عبدالبر نقل کردہ شاہد است۔ (۴۹)

(ترجمہ: اولیاء اللہ کے تصرفات و کرامات وصال کے بعد نہ صرف باقی رہتے ہیں بلکہ ان میں ترقی بھی ہوتی رہتی ہے، عبدالبر کی نقل کردہ حدیث اس پر گواہ ہے۔)

☆ ایک صاحب نے مولانا گنگوہی کو بعد انتقال کے دیکھا کہ فرما رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو وفات کے بعد خلافت دے دی ہے، اس کے معنی میں یہ سمجھا ہوں کہ چونکہ خلافت کی روح تصرف ہے، اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی روح کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کی قوت عطا فرما دی کہ طالبین کی تربیت اور اصلاح میں معین ہو، ایسے بزرگوں کے مزار پر جانے سے یہ خاص نفع بھی ہوتا ہے۔ (۵۰)

☆ ان کی ابد تک زندہ رہنے والی پاک روحیں جب جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہیں تو ان کی حکمرانی کی گرفت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے، اور ان کے فولادی ہاتھ قبر کے اندر سے دنیا کے رہنے والوں کے لئے حکمرانی کے احکامات جاری و ساری کرتے ہیں، مشہور ہے کہ برطانوی ہند کے ایک وائسرائے لارڈ کرزن نے خواجہ غریب نواز کے مزار پر حاضری دی اور اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ہندوستان میں ایک قبر کو شہنشاہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ہر خاص و عام دور دور سے ان کے مزاروں پر آ کر حاضری دیتے ہیں اور صدارتی پروٹوکول اور شاہی آداب سے بڑھ کر تعظیم و کرٹسی سے پیش آتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بے تاج تاجداروں کے پاس وسیع اختیارات کہاں سے آتے ہیں، دنیا کے بڑے بڑے ارباب سطوت ان کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں۔ سچی اور سیدھی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا سے ہٹ جاتے ہیں، ''دنیا والے'' کے ساتھ لو لگا لیتے ہیں، جو تمام طاقتوں کا مرکز اور مبدا ہے، اس کے پاس بے حساب طاقت اور بے انداز

روشنی مبدا ازل سے مسلسل آتی رہے گی، یہی وہ پاک ہستیاں ہیں جنہیں قرآن مجید نے اولیاء اللہ کا نام عنایت فرمایا ہے۔(۵۱)

آج کے مصروف دور میں بھی مزارات بزرگان دین پر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے، اس لئے کہ انہیں وہاں فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں، مخالفین بھی اس حقیقت کے معترف ہیں جس کی تصدیق ان کے درج ذیل بیانات سے ہوتی ہے:

☆ اولیاء اللہ اور مشائخ کے مزاروں کی زیارت سے مشرف ہوا کرے اور فراغت دلی کے اوقات میں ان کے مزاروں پر بیٹھ کر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کرے اور اس کی حقیقت اپنے مرشد کی صورت میں تصور کرے اور فیضیاب ہوا کرے اور برکت حاصل کرے۔(۵۲)

☆ مولوی امین، شیخوپورہ مولوی احمد علی لاہوری کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"خدا کی قسم! حضرت کی توجہات میں کوئی فرق نہیں، ان کا لباس بدلا ہے، ان کی توجہ ہم سے نہیں ہٹی"۔(۵۳)

☆ فقیر مرتا نہیں ہے، صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے، فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی ظاہری میں میری ذات سے ہوتا ہے۔(۵۴)

☆ مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں:

"میں نے ایک رسالہ لکھا ہے، اس میں، میں نے حدیث سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل قبور سے فیض ہوتا ہے"۔(۵۵)

☆ لکھنؤ سے ایک غیر مقلد عالم یہاں پر آئے تھے۔۔۔۔ دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا اہل قبور سے فیض ہوتا ہے، میں نے کہا کہ ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے، اس پر بہت چونکے ہوئے، میں نے کہا کہ حدیث شریف میں قصہ ہے کہ ایک صحابی نے قبر پر بھولے سے خیمہ لگا لیا تھا، مردہ بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا، انہوں نے سنا اور قرآن سننے سے ظاہر ہے کہ ثواب ہوتا ہے تو یہ فیض اہل قبور ہی سے ہوا۔(۵۶)

☆ مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی نے بعد وفات بھی حضرت والا سے عالم

رؤیا میں فرمایا کہ ہم کو تمہاری طرف اب بھی ویسی ہی توجہ ہے جیسی حیات میں تھی۔(۵۷)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وفات پا جانے کے بعد کیا کوئی اللہ کا نیک بندہ دوبارہ اس فانی دنیا میں تشریف لا سکتا ہے یا نہیں، اس کا جواب مولوی یوسف لدھیانوی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور دونوں ممکن ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ مردہ کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے اور وہ عام معمول کے مطابق زندہ ہو جائے۔۔۔۔ کسی فوت شدہ شخص کے دنیا میں دوبارہ نظر آنے کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ معروف زندگی کے ساتھ تو اس کا جسم دنیا میں زندہ نہ کیا جائے مگر خواب یا بیداری میں اس کی شبیہہ کسی شخص کو نظر آئے۔''(۵۸)

اس قسم کے ان گنت واقعات مخالفین اہل سنت کے لٹریچر میں موجود ہیں، جن میں سے چند یہاں پیش خدمت ہیں:

☆ حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمہ اور متنازعہ کی صورت اختیار کر لی اور مولانا محمود حسن صاحب گو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے، نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی مگر صورت حالات ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا، اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود حسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا، مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے، موسم سخت سردی کا تھا، مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو، مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا، فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر

بتر ہو گیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے، بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے، مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔(۵۹)

☆ حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہو گئی لیکن نسبت قادریہ نقشبندیہ کا بیان اس طرح ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی بیعت کی برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات کے یمن سے حضرت جناب غوث الثقلین اور جناب خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گزرنے اور شرکت پر صلح کا واقعہ ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پرزور اثر ڈالتے رہے، پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو نصیب ہوئی۔(۶۰)

☆ مولانا اسماعیل صاحب شہید کے قافلہ میں ایک شخص شہید ہو گئے تھے جن کا نام بیدار بخت تھا، وہ دیوبند کے رہنے والے تھے، ان کی شہادت کی خبر آچکی تھی، ان بیدار بخت کے والد حسب معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات کو تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو گھر کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی اور پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا، دروازہ کھولا، دیکھا تو ان کے لڑکے بیدار بخت ہیں، یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کے متعلق تو معلوم ہو چکا تھا کہ شہید ہو چکے ہیں، یہ کیسے آگئے، بیدار بخت نے کہا کہ جلدی کوئی فرش وغیرہ بچھایئے، مولانا اسماعیل صاحب اور سید صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں، ان کے والد نے فوراً ایک بڑی چٹائی جو نئی خریدی تھی، بچھا دی، ایک مجمع اس فرش پر آبیٹھا، بیدار بخت سے ان کے والد نے کہا، تمہارے کہاں تلوار لگی تھی، انہوں نے اپنا ڈھاٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے دونوں

ہاتھوں میں لے کر اپنے باپ کو دکھلایا کہ یہاں تلوار لگی تھی، ان کے باپ نے کہا کہ باندھ لو، مجھ سے دیکھا نہیں جاتا، تھوڑی دیر بعد یہ سب حضرات واپس تشریف لے گئے، صبح کو بیدار بخت کے والد کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہ تھا مگر چٹائی پر دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے، یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے ان کے والد نے دیکھا تھے، ان قطروں کے دیکھنے سے وہ سمجھے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے۔(۶۱)

☆ ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خیال ہوا کہ میں تو یہاں کثرت سے حاضر ہوتا ہوں، معلوم نہیں کہ حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو ہمارے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے، اس کے بعد ایک روز مزار پر تشریف لے گئے اور مزار کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت سلطان الاولیاء کی روحانیت کو متشکل موجود دیکھا کہ وہ یہ شعر نظامی کا پڑھ رہے ہیں:

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجان گر تو ائی بہ تن (۶۲)

☆ قاضی محمد سلیمان ندوی جو ابتدا میں اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام سے عقیدت نہ رکھتے تھے، نے مولانا ہاشم جان سے کراچی میں فرمایا:

''میں چند احباب کے ساتھ بسی سے حافظ عبدالحلیم کے یہاں سے واپس ہوا تو احباب نے سرہند شریف میں فاتحہ خوانی کے لئے اصرار کیا، چنانچہ ہم سب لوگ سرہند پہنچے، مجھے چونکہ اولیاء اللہ سے کوئی خاص عقیدت نہ تھی، اس لئے میں تو باہر مسجد کے احاطے والی دیوار پر جوتے پہنے ہوئے بے تکلفانہ پیر لٹکا کر بیٹھ گیا اور احباب اندر چلے گئے، تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ درگاہ سے ایک نورانی صورت سفید ریش بزرگ میری طرف آرہے ہیں، مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی کیونکہ اس وقت وہاں کوئی نہ تھا، وہ بزرگ میرے سامنے آکر ٹھہر گئے اور فرمایا، مکتوبات ما خواندہ؟ میں نے جواب دیا، خواندہ ام، پھر فرمایا، فہمیدہ؟ میں نے عرض کیا، خواندہ ام اما اند کے فہمیدہ، اس سوال و جواب کے بعد مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں ہوش میں نہ رہا اور بے

ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا، جب احباب فاتحہ خوانی کے بعد واپس آئے تو مجھ کو اس حالت میں دیکھا، بیہوش پڑا ہوں، منہ سے جھاگ نکل رہی ہے، انہوں نے پانی چھڑکا، تھوڑی دیر بعد ہوش میں آیا اور سارا ماجرا سنایا۔''

اس کے بعد فرمایا کرتے تھے:

''میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان بنایا ہے۔'' (۶۳)

کاش! اس ایمان افروز واقعہ سے عبرت حاصل کر کے قاضی صاحب کی طرح سب کلمہ گو مسلمان بن جائیں اور بزرگان دین کے ادنیٰ غلام بننے پر فخر کریں کیونکہ یہی وہ محترم ہستیاں ہیں جو بروز محشر بھی دستگیری کریں گی، جیسا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے کہا ہے کہ:

''بزرگوں کو تکلیف پہنچانا تھوڑی بات نہیں، اس لئے بزرگوں کے اہل کے ساتھ بھی گستاخی نہ چاہیے، یہ بزرگ اپنے متعلقین کو چھوڑیں گے نہیں، ان شاء اللہ سفارش کر کے بخشوا ہی لیں گے۔'' (۶۴)

کسی بزرگ کے طفیل اگر بخشش ہو جائے تو یقیناً بہت بڑی سعادت ہے لیکن بد قسمتی سے ہمارے ہاں ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو بظاہر توحید پھیلانے کے بہت بڑے مبلغ دکھائی دیتے ہیں لیکن بزرگوں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے والوں پر آنکھ جھپک میں شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، ایسی توحید کا کیا فائدہ جو توحید سکھانے والوں سے عقیدت و محبت رکھنے میں رکاوٹ بن جائے، ان موحدوں سے یہی گزارش کی جاسکتی ہے کہ غیروں کی نہیں، اپنوں کی بات پر غور فرمائیں، سنیے وہ کیا کہتے ہیں:

☆ ہمارے مقدس اکابر ہمیشہ اولیاء کرام و انبیاء عظام سے توسل کرتے رہتے ہیں اور اپنے مخلصین کو اس کی ہدایت کرتے رہتے ہیں جس کو وہابیہ مثل شرک ناجائز و حرام جانتے ہیں، حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصیدہ طویلہ در بارہ توسل مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ تحریر فرمایا ہے جو کہ امداد السلوک کے اخیر میں و نیز دیگر رسائل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ (۶۵)

☆ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء واولیاء، شہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی حیات میں ہو یا بعد وفات، بایں طور کہ کہے، یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآری چاہتا ہوں یا اسی جیسے اور کلمات کہے۔(۶۶)

☆ طالب کو چاہیے کہ پہلے باوضو دو زانو بطور نماز بیٹھ کر اس طریقہ کے بزرگوں حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیاز بے انداز اور زاری بے شمار کے ساتھ اپنے کام کے فتح باب کے لئے دعا کر کے ذکر دوضربی شروع کرے۔(۶۷)

☆ شجرہ پڑھنا درست ہے کیونکہ اس میں بتوسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، اس کا کوئی حرج نہیں۔(۶۸)

☆ میں شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مدت دراز تک بیٹھا ہوں اور مجھ کو شاہ صاحب نے تعلیم بھی کی ہے اور جو کچھ نفع ہوا ہے وہ حضرت صاحب اور شاہ عبدالقدوس صاحب ہی کا طفیل ہے۔(۶۹)

آگے بڑھنے سے قبل نذر و نیاز کے متعلق حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مرحوم کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

"حنبلی کے نزدیک جمعرات کے دن کتاب احیاء تبرکاً ہوتی تھی، جب ختم ہوئی، تبرکاً دودھ لایا گیا اور بعد دعا کے کچھ حالات مصنف کے بیان کئے گئے، طریق نذر و نیاز قدیم زمانہ سے جاری ہے، اس زمانہ میں لوگ انکار کرتے ہیں۔"(۷۰)

بزرگان دین چاہے زندہ ہوں یا وفات پا جائیں، دونوں صورتوں میں مصیبت زدہ افراد کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں، دکھ درد میں مبتلا لوگ حاضری دیتے ہیں اور سکون کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس لوٹتے ہیں، ان میں عام وخاص سب شامل ہوتے ہیں، مثلاً ایک مالدار آدمی کسی موذی مرض میں مبتلا ہو اور علاج سے افاقہ نہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کے وسیلہ سے شفا عطا فرما دیتا ہے یا کسی کی اولاد نہ ہو، ڈاکٹر اسے جواب دے دے تو وہ کسی مزار پر جا کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا

مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرما دیتا ہے، یا بزرگ خود اولاد کی بشارت دیدے، موجودہ مادی دور میں روحانی دنیا کے حالات سے بے خبر بعض لوگ اس قسم کی باتوں کو ماننے سے کتراتے ہیں لیکن ان باتوں کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں، آپ کسی صحیح الفکر زندہ بزرگ کی خدمت میں یا وفات شدہ بزرگ کے آستانے پر حاضری دیں، اس بات کو اپنے ایمان کا جزو بنالیں کہ اللہ کے اس نیک بندے کے وسیلہ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا، ان شاء اللہ آپ کی مشکل حل ہوگی۔

آیئے! دیکھتے ہیں کہ اس موضوع پر مخالفین اہل سنت کے لٹریچر سے کیا رہنمائی ملتی ہے:

☆ مولوی معین الدین صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی، سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا، اسے ہی آرام ہو جاتا، بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈلواؤں، تب ہی ختم، کئی مرتبہ ڈال چکا، پریشان ہو کر ایک دفعہ مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادے بہت تیز مزاج تھے)، آپ کی تو کرامت ہوگئی اور ہماری مصیبت ہوگئی، یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جوتہ پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے، بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا۔ (۷۱)

☆ نومولود کا نام تجویز کرنے کے لئے کسی تردد کی ضرورت نہ پڑی، یہ اس کی پیدائش سے تین سال پہلے طے ہو چکا تھا، ایک بزرگ احمد حسن کے ہاں آئے، ایک اور فرزند کی خوش خبری سنائی اور تلقین کی کہ اب آنے والے کا نام ابوالاعلیٰ رکھنا۔ (۷۲)

☆ ولادت سے قبل علاقہ کے ایک بزرگ نے آپ کے والد کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا، اس کا نام غلام رسول رکھنا۔ (۷۳)

☆ حضرت والا کے والد ماجد کو خارشت ہو گیا تھا اور اس قدر شدید ہو گیا تھا کہ کسی دوا سے فائدہ نہ ہوتا تھا، کسی ڈاکٹر نے کہا کہ اس مرض کی ایک دوا اکسیر ہے مگر

وہ قاطع النسل ہے، چونکہ والد صاحب مرض سے بہت تنگ آ گئے تھے، اس لئے انہوں نے اس دوا کا استعمال یہ کہہ کر، کرلیا کہ بلا سے اولاد نہ ہو، بقاء نوعی سے بقاء شخصی مقدم ہے، والدہ صاحبہ کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئیں کیونکہ اس وقت تک کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، شدہ شدہ یہ خبر نانی صاحبہ کو بھی پہنچ گئی، ان کو بھی بڑی پریشانی ہوئی، انہوں نے حضرت حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوب پانی پتی سے (جو اتفاق سے نانا صاحب کے تعلقات سابقہ کی وجہ سے تشریف لائے ہوئے تھے) شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے، حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمر و علی کی کشا کشی میں مر جاتے ہیں، اب کی بار علی کے سپرد کر دینا، زندہ رہے گا، اس مجذوبانہ معما کو کوئی نہ سمجھا لیکن والدہ صاحبہ نے اپنی فہم خداداد اور نور فراست سے اس کو حل کیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کے باپ فاروقی ہیں اور ماں علوی اور اب تک جو نام رکھے گئے وہ باپ کے نام پر رکھے گئے، یعنی فضل حق وغیرہ، اب کی بار جو لڑکا ہو، اس کا نام ننہال کے ناموں کے مطابق رکھا جائے جس کے آخر میں علی ہو، حافظ صاحب یہ سن کر ہنسے اور فرمایا کہ واقعی میرا یہی مطلب ہے، یہ لڑکی بڑی عقلمند معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے، ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا، دوسرے کا نام اکبر علی خاں، نام لیتے وقت خاں اپنی طرف سے جوش میں آ کر بڑھا دیا تھا، کسی نے پوچھا، حضرت کیا وہ پٹھان ہوں گے؟ فرمایا: نہیں، اشرف علی اور اکبر علی نام رکھنا، یہ بھی فرمایا کہ دونوں صاحب نصیب ہوں گے، یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا ہوگا، وہ مولوی ہوگا اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا، چنانچہ یہ سب پیشنگوئیاں حرف بحرف راست نکلیں۔ (۷۴)

حضرت صاحب کے پڑپوتے گورنر خورشید احمد کی سب بیٹیاں تھیں، ان کی اولاد نرینہ نہ تھی، ایک موقع پر صاحبزادہ شاہ حسین صاحب نے گورنر خورشید صاحب کو کہا کہ اس قبرستان کے تمام شعائر خراب ہو گئے اور اس زبرگ بابا سے کسی نے فیض حاصل نہیں کیا، اگر تم ان کی قبر پکی کرلو جو کہ قبر پرستی کی نیت سے نہ ہو بلکہ عقیدت اور شعائر کو قائم کرنے کے سلسلے میں، تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا دے،

گورنر خورشید نے کام شروع کیا اور اللہ نے ان کو سلیم بیٹا دیا۔ (۷۵)

وفات پا جانے کے بعد بھی اللہ کے نیک بندوں کا عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے محافظوں کے ساتھ رابطہ قائم رہتا ہے اور انہیں مختلف قسم کی ہدایات دیتے رہتے ہیں، علماء دیوبند بھی اس خاصیت کو تسلیم کرتے ہیں، ان کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

☆ مجھے مردہ نہ سمجھو، میں زندہ ہوں، جس طرح میری حیات میں مجھ سے فیض لیتے رہتے تھے، فیض لیتے رہنا، فیض ہوتا رہے گا اور مجھے مقام شہداء نصیب ہوا ہے، کہہ دیا جائے۔ (۷۶)

☆ سلوک کی منزل کی تکمیل کے ارادہ سے وہ اجمیر شریف حاضر ہوئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے روضہ خواجہ کے قریب ایک پہاڑی پر اپنی کٹیا بنائی اور وہیں قیام پذیر ہو گئے، اکثر مزار شریف پر حاضر ہو کر دیر تک مراقب رہتے، ایک دن مراقبے میں حضرت خواجہ کی طرف سے ارشاد ہوا:

''آپ کی تکمیل مدرسۂ دیوبند میں حدیث پڑھانے ہی سے ہو گی، آپ وہیں جائیں اور ساتھ حضرت خواجہ کا مقولہ بھی منکشف ہوا کہ آپ کی عمر کے دس سال رہ گئے ہیں، اس میں یہ تکمیل ہو جائے گی۔'' (۷۷)

☆ ایک دن خانقاہ میں لیٹے ہوئے اپنے شغل میں مصروف تھے کہ کچھ سکر پیدا ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو دیکھا کہ سامنے سے تشریف لئے جا رہے ہیں، چلتے چلتے ان کو مخاطب بنا کر اس طرح امر فرمایا کہ دیکھو، جو کچھ چاہو، حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے چاہنا۔ (۷۸)

☆ (مولوی عبدالرحیم صاحب رائے پوری) کا اکثر مزارات اولیاء اللہ پر حاضری کا معمول تھا، سہارنپور، دہلی، پیران کلیر، سرہند شریف وغیرہ مزارات پر حاضری دیتے تھے اور فیوض و برکات سے مشرف ہوتے تھے، ایک دفعہ پیران کلیر شریف حضرت شیخ علی احمد صاحب قدس سرہ خلیفہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر چشتی قدس سرہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔۔۔ فرماتے تھے۔۔۔ آواز آئی، عبدالرحیم! میں نے جواب دیا، جی ہاں، پھر تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی، عبدالرحیم، میں نے عرض

کیا، جی، ہاں! حاضر ہوں، پھر کچھ دیر کے بعد آواز آئی، عبدالرحیم! میں نے عرض کیا کہ حضرت، مجھے نظر تو آتے نہیں، آپ کون بزرگ ہیں، فرمایا، میں علی احمد ہوں، آپ کا حصہ گنگوہ میں ہے۔(۷۹)

مشکل کشا، غریب نواز، داتا گنج بخش جیسے الفاظ اگر کسی بزرگ کی صفت کے طور پر استعمال کئے جائیں تو بعض لوگ بڑے پریشان ہو جاتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ کسی مخلوق کو مشکل کشا، غریب نواز اور داتا گنج بخش کہنا جائز نہیں بلکہ کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ محض ایک غلط فہمی ہے، آپ یہ مانتے ہیں کہ وفات شدہ بزرگوں کو ہم زندہ لوگوں کے حالات کی خبر ہوتی ہے جیسا کہ صوفی محمد یونس صاحب دیوبندی نے بتایا کہ:

''حضرت دین پوری فرمانے لگے، میرے پاس اکثر وہ لوگ تشریف لاتے ہیں جن کا تعلق حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے لیکن یہ بات افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ غور کرنے کے بعد سب کے دل کو غافل پاتا ہوں، یہ نہ سمجھنا کہ حضرت لاہوری کو ان باتوں کی خبر نہیں، اللہ تعالیٰ یہ سب رپورٹ حضرت لاہوری کی خدمت میں پہنچواتے ہیں، اسی طرح ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے احوال کی خبر حضرت جانشین رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں پہنچتی، انہیں ہم سب کی خبر ہوتی ہے۔''(۸۰)

مودودی صاحب کے صاحبزادے جناب حیدر فاروق مودودی نے ایک انٹرویو میں اپنی دادی کے متعلق بتایا کہ:

''ایک دفعہ میں ایک معاملے میں پریشان تھا۔۔۔ میں نے ان کی قبر پر جا کے دعا کی، آپ میرے لئے دعا کیجئے، اس رات وہ میرے خواب میں آئیں، اوپر کے برآمدے میں، میں لیٹا ہوا ہوں اکیلا اور خواب میں دیکھتا ہوں، وہ آئی ہیں اور میں اٹھ کے بیٹھ جاتا ہوں، کہتا ہوں، دادی اماں! آپ؟۔۔۔ کہنے لگیں، تو آیا تھا اور تو نے مجھ سے کہا تھا، دعا، میں دعا کرنے کے لئے آئی ہوں۔''(۸۱)

خود مودودی صاحب نے اپنے ایک معتقد کو نیند سے جگا کر اسے نماز پڑھنے کی تلقین کی اور ثواب کمانے میں مدد فرمائی، جناب محمد مہدی گوندل کا بیان ہے:

''ایک رات بخار کی شدت کی وجہ سے میں عشاء کی نماز ادا کئے بغیر سو گیا،

خواب میں سیدی کی زیارت ہوئی، مولانا مجھے فرمارہے تھے کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔۔۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، رات کے ساڑھے بارہ کے قریب وقت تھا، میں نے فوراً اٹھ کر تیمّم کیا اور نماز عشاء ادا کر کے سو گیا۔'' (۸۲)

اگر مودودی صاحب تصرف کر کے اپنے معتقد کو نہ جگاتے تو یقیناً اس کی نماز قضا ہو جاتی اور وہ خسارے میں رہتا، اس طرح انہوں نے اپنے چاہنے والے کو نماز پڑھ کر ثواب کمانے کا تحفہ دیا، اس ''دینے'' کی صفت کے پیش نظر جماعت اسلامی والے اپنے قائد کو داتا کہیں یا نہ کہیں، یہ ان کا داخلی معاملہ ہے لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر مودودی صاحب میں ''عطا کرنے'' کی صفت موجود ہونے کا برسر عام تذکرہ کرنا اسلام کے عین مطابق ہے تو اصل بزرگوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ کو'' داتا''، ''گنج بخش''، یا مشکل کشا کہنا کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے۔

''اقبال میرا روحانی سہارا تھا''۔ مودودی (۸۲۔الف)

جہاں تک علماء دیوبند کا تعلق ہے، وہ غیر اللہ کو مشکل کشا کہنے میں کیوں قباحت محسوس نہیں کرتے:

کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے رب
ہادی عالم علی مشکل کشا کے واسطے (۸۳)

☆ ناظرین کی روحانی تربیت کے لئے شجرہ چشتیہ، صابریہ، حسینیہ درج کیا جاتا ہے، یہ وہ شجرہ ہے جو اس گناہ گار کا ورد ہے اور اسی کو بحمدہ تعالیٰ حج کے دوران پڑھا گیا ہے:

جہل و غفلت دور کر دے اور اٹھا دے سب حجاب
دل سے بس علم و عمل کا میرے چمکے آفتاب
ہادیٔ عالم علی مشکل کشا کے واسطے (۸۴)

آخر میں علمائے دیوبند کی زبانی مشکل کشائی کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

☆ جنازے سے فراغت ہوئی، قبر کا حساب کتاب ہوا لیکن کسی کو کچھ سمجھ نہ آئی کہ کس تیزی سے ختم بھی ہو گیا، جماعت کی طرف متوجہ ہوئے، زندگی کا یہ قیمتی

سرمایہ جس کے حوالے کیا تھا انہیں فرمایا:
ا۔ میری جماعت کو دنیا کی طرف نہ لے جانا۔
ب۔ کسی بھی ساتھی کو حقیر نہ سمجھنا۔
ج۔ جس کو میں نے جو مقام و مرتبہ دیا ہے، وہ اس سے لینا نہیں، ساتھیوں کی پریشانی پر تسلی دینا۔

کوئی قبر پر جا کر روتا دھوتا تو کوئی گھر میں بیٹھا آنسو بہاتا، اس روحانی باپ کو اولاد کے اس رونے نے قبر میں بھی پریشان کر دیا، کچھ احباب حاضر ہوئے تو فرمایا:

"ساتھیوں کو تسلی دو، دنیا میں، میں نے جس طرح آپ لوگوں کا خیال رکھا تھا، برزخ میں اس سے بڑھ کر رکھوں گا۔ (۸۵)

☆ حضرت قاضی صاحب کا روحانی فیض آج تک جاری ہے، چنانچہ جب کبھی مجھے کسی مسئلہ کے حل کرنے میں الجھن محسوس ہوتی ہے تو میں اس کی قبر کے قریب جا بیٹھتا ہوں اور چند منٹ نہیں گزرتے کہ وہ الجھن خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ (۸۶)

☆ میرے جد امجد نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی کہ میری اولاد کو دنیا کا چین نصیب نہ ہو، مبادا وہ یاد خدا سے غافل ہو جائیں، میں ایک روز مراقبے میں تھا کہ گھر سے بلاوا آیا، مجھے خیال ہوا کہ شاید روزانہ کے مصارف کے لئے بلایا ہو، دل میں خیال گزرا کہ جد امجد کی دعا منظور ہو چکی ہے، لہٰذا افلاس سے رہائی ممکن نہیں، اس حالت میں عبادت کی فرصت بھی میسر نہیں آسکتی، میں گھر نہ گیا اور جد امجد کے مزار پر پہنچ کر مراقبہ کیا، جد امجد کے جسم مبارک کا نصف حصہ قبر سے باہر نکل آیا، قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے اور میرے حق میں دعا کی، اس روز سے تنگ دستی ختم ہو گئی۔ (۸۷)

☆ شاہ عبدالرحیم جو کہ شاہ ولی اللہ کے والد تھے، راوی ہیں کہ ایک بار میں راستہ میں سے شیخ سعدی کا یہ قطعہ پڑھتا چلا جا رہا تھا۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز حرف عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے نقش دوئی راز لوح دل
علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

اس کے تین مصرعہ تو یاد تھے، چوتھا مصرعہ یاد نہیں آتا تھا، تیسرے مصرعہ تک پڑھنے کے بعد بار بار اٹک جاتا تھا جس سے بڑی تنگی ہوتی تھے، اتنے میں ایک کمبل پوش سفید ریش بزرگ صورت شخص میرے پاس ہو کر گزرے، جس وقت تین مصرعے پڑھ چکا اور چوتھا اٹک گیا، ان کمبل پوش بزرگ نے فوراً یہ چوتھا مصرعہ پڑھ دیا:

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

اس مصرعہ کو سنتے ہی میری طبیعت جو اس تنگی کی وجہ سے گھٹی ہوئی تھی، کھل گئی اور وہ بزرگ آگے بڑھ گئے، میں نے دوڑ کر پوچھا کہ آپ کا اسم مبارک، انہوں نے کہا: ''فقیر را مصلح الدین شیرازی می گویند''۔(۸۸)

☆ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے فرمایا:

''جب اول مکہ مکرمہ آیا، فقر و فاقہ کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ نو روز تک بجز زمزم شریف کے کچھ نہ ملا، تین چار دن کے بعد بعض احباب سے قرض مانگا، انہوں نے باوجود وسعت انکار کیا، مجھے معلوم ہوا کہ یہ امتحان ہے، پس عہد کر لیا کہ اب قرض بھی نہ لوں گا اور ضعف سے یہ حالت تھی کہ نشست و برخاست دشوار تھی، آخر نویں دن حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ عالم واقعہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے امداد اللہ! تم کو بہت تکالیف اٹھانے پڑے، اب تیرے ہاتھوں پر لاکھوں روپیہ کا خرچ مقرر کیا جاتا ہے، میں نے انکار کیا کہ یہ امانت بہت سخت ہے، ارشاد ہوا کہ اچھا تمہاری مرضی مگر اب بایحتاج خرچ تمہیں ملا کرے گا، تب سے بلا منت دیگرے مصارف روزمرہ چلتے ہیں۔(۸۹)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیرت گنج بخش

بعد وصال

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت بعد وصال کا آغاز ہم ان کے مزار شریف کے تذکرے سے کرتے ہیں، جہاں وہ اس فانی دنیا کو خیر باد کہنے کے بعد اپنے عقیدت مندوں کی راہنمائی اور دستگیری کرتے ہیں، ان کے مزار اقدس پر روزانہ کثرت سے زائرین حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں، یہ بات دشمنانِ اسلام کے لئے شروع ہی سے دردسر بنی ہوئی ہے کہ قبر میں مدفون ایک بزرگ مسلمانوں کے قلوب پر حکمرانی کر رہا ہے، وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اس عمل سے ہر روز زائرین کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور وہ اسلام کی حفاظت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کی تربیت حاصل کر کے واپس گھروں کو لوٹتے ہیں۔

بدقسمتی سے کلمہ گو ہونے کے مدعی حضرات کا ایک مختصر گروہ بھی مسلمانوں کے اس طرز عمل سے نالاں دکھائی دیتا ہے، دشمنان اسلام کی سوچ کے برعکس ان بدقسمت افراد کا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کی مزار پُر انوار پر حاضری سے معاذ اللہ ان کا اسلام سے رخصتی مصافحہ ہونے کا خدشہ ہے، سوچ میں اس قدر واضح فرق ہونے کے باوجود ان دونوں کی مشترکہ خواہش یہی ہے کہ مسلمانوں کا اس روحانی مرکز سے یہ مضبوط رابطہ منقطع ہو جائے، خوف خدا سے بے نیاز یہ دونوں گروہ اپنے اپنے انداز میں سرگرم عمل ہیں، غیر مسلم تو شاید قیامت تک ایسی جسارت نہ کر سکیں لیکن مسلمان کہلانے کے دعویدار اس طبقہ کے ایک دہشت گرد نے مزار اقدس اور وہاں موجود زائرین پر تیل چھڑک کر انہیں جلانے کی کوشش کی تاہم حضرت داتا صاحب نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے اسے ناکامی سے دوچار کر دیا، حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رقمطراز ہیں:

''ابھی حال کا واقعہ ہے کہ ۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کے کوہستان وغیرہ تمام اخبارات میں چھپا کہ ایک دیوبندی عبدالقادر نامی نے پہلے تو حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ

اللہ علیہ کے آستانہ مقدس پر قلمی اشتہارات لگائے جن میں تحریر تھا کہ میت کے پاس دعا قبول کرنے کی طاقت نہیں، ان کے مزارات پر منتیں مانگنا شرک و بدعت ہے، پھر رات کے آخری حصہ میں تمام آستانہ پر مٹی کے تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے رکھ دیئے، سوئے ہوئے زائرین کے کپڑوں میں بھی مٹی کا تیل چھڑک دیا، دیا سلائی جلا کر آگ لگان چاہتا ہی تھا کہ پکڑا گیا، یہ واقعہ رات کے تین بجے ہوا، اگر یہ ایک سیکنڈ کا موقع پا لیتا تو سارا دربار اور سارے محلے اور ان تمام انسانوں کو جلا دیتا، یہ ہے ان ظالموں کی توحید۔" (۹۰)

ان لوگوں کے اکابر تحریک پاکستان کے دوران مسلمانوں کی نمائندہ جماعت "مسلم لیگ" کے شدید مخالف اور ہندو کانگریس کے پرجوش حامی تھے، نرم سے نرم الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اسلام کے کٹر دشمن اور متعصب ہندو راہنما مسٹر گاندھی کو اپنا لیڈر و امام مان کر کتاب و سنت کے احکامات کی صریح خلاف ورزی کی کیونکہ احکام خداوندی کی رو سے وہ کبھی بھی مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا تھا، جناب شاہ محمد جعفر ندوی نے مسٹر گاندھی کی اسلام دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"انتہائی خطرناک گاندھی جی کی وہ میٹھی مگر زہر آلود پالیسی تھی جو مسلمانوں کو سلا سلا کر کامل غفلت میں رکھنا چاہتی تھی، وہ "بلینک چیک" دینے پر تو آمادہ تھے لیکن تحفظ کی کوئی ضمانت دینے کو کبھی تیار نہ تھے، وہائٹ پیپر میں اچھوتوں کو جداگانہ نمائندگی دی جانے لگی تو گاندھی صاحب نے مرن برت شروع کر دیا اور چھ دن تک فاقے کر کر کے نڈھال ہو گئے لیکن مسلمانوں کے تحفظ کے لئے انہوں نے کبھی ایک گھنٹے کا بھی مرن برت نہ رکھا"۔ (۹۱)

ہم نے دل پر جبر کر کے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے پاکیزہ تذکرہ میں معروف بت پرست مسٹر گاندھی کا نام اس لئے آنے دیا کیونکہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کو مشکوک بنانے کی کارروائی میں فعال کردار ادا کرنے والا اسی بت پرست کا سیاسی ہم سفر تھا، یعنی مولوی احمد علی لاہوری جن کا شمار اکابر علمائے دیوبند میں ہوتا ہے، مولوی صاحب کے چاہنے والوں کا دعویٰ ہے کہ وہ

سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے، لوگوں کو بیعت بھی کرتے تھے، مولوی صاحب خود دیگر قابل احترام بزرگوں کی گستاخی اور اپنی بزرگی و وسعت نظر کا اعلان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

''میرا دعویٰ ہے کہ لاہوریوں کی چودہ لاکھ کی آبادی میں کوئی بھی آنکھوں والا نہیں ہے، سب کے سب اندھے ہیں، مرد بھی اندھے، عورتیں بھی اندھی، سب اندھے ہیں''۔(۹۲)

☆ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اور ان کی نگاہ فیض کے اثر سے بحمد اللہ اتنی توفیق میسر آگئی ہے کہ اب یہ بھی مجھ پر منکشف ہو جاتا ہے کہ کون اپنی قبر میں کس حالت میں ہے۔(۹۳)

جبکہ علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت، جمعیۃ علمائے ہند کے صدر مولوی حسین احمد دیوبندی نے ان کے متعلق کہا تھا:

''وہ اللہ کا ایسا مقبول بندہ ہے کہ اس کے درس قرآن میں شمولیت جنت کی ضمانت ہے۔''(۹۴)

مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ان دعوؤں کی صداقت پر بھی یقین نہیں رکھتی، ان کے خیال میں یہ کیسے ممکن ہے کہ مسٹر گاندھی کی قیادت میں کام کرنے والے ایک شخص کی نظر میں اتنی وسعت پیدا ہو جائے کہ وہ قبر میں مدفون کسی بھی فرد کا حال معلوم کر سکتا ہو، جبکہ کروڑوں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والے دو قومی نظریہ(۱) کے حامی سنی علماء و مشائخ بقول ان کے (نعوذ باللہ) بالکل اندھے تھے، اور باتوں کے علاوہ جب کوئی بھی مسلمان حضرت مولانا محمد بشیر مدیر ماہنامہ ''ماہ طیبہ'' کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ کا بیان کردہ یہ چشم دید واقعہ پڑھے گا تو وہ مولوی صاحب کو ولی اللہ سمجھنے سے گریز کرے گا:

''جب کانگریس کا زور تھا اور مسلمان مطالبۂ پاکستان میں سرگرم تھے، دیوبندی

۱۔ مزید تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیں: ۱۔ ماہنامہ ''نئی زندگی'' الہ آباد کا خاص پاکستان نمبر ۱۹۴۶ء، شائع کردہ دار الفیض گنج بخش لاہور ۲۰۰۳ء، ۲۔ ''سید احمد کی صحیح تصویر'' از وحید احمد مسعود مطبوعہ رضا پبلی کیشنز۔ لاہور

مولوی کانگریس کے ساتھ اور مسلمانوں کے مخالف تھے، گاندھی دورۂ سرحد سے فارغ ہو کر پشاور سے لاہور جا رہا تھا، اتفاقاً میں بھی اسی ٹرین میں سوار تھا اور راولپنڈی سے لاہور جا رہا تھا، لاہور پہنچنے پر میں نے ریلوے پلیٹ فارم پر کانگرسیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم دیکھا، ہر شخص ہار لئے گاندھی کی راہ دیکھ رہا تھا، گاڑی سٹیشن پر پہنچی تو گاندھی کا ڈبہ ہجوم سے کچھ آگے نکل گیا، یہ دیکھ کر ہجوم دیوانہ وار آگے دوڑا، اس افراتفری کے عالم میں ایک کھدر پوش طویل ریش ادھیڑ عمر کا آدمی بھی نظر آیا، وہ بھی کسی طرح گرتے پڑتے گاندھی کے چرنوں میں پہنچ گیا، میری نگاہ اس آدمی کی طرف تھی کہ ایک رفیق سفر نے بتایا'' یہ مولانا احمد علی ہیں، شیرانوالہ دروازہ والے'' یہ سن کر مجھے تقویۃ الایمانی توحید شرک کے چرنوں میں گری ہوئی نظر آنے لگی۔'' (۹۵)

مقام مزار پرانوار کا تعین

اسی مولوی احمد علی لاہوری نے ایک ایسا شوشہ چھوڑا جس سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کے جذبات مجروح ہوئے، انہوں نے بار بار اپنی تقریروں میں یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی کہ حضرت داتا صاحب شاہی قلعہ لاہور میں مدفون ہیں، جماعت اسلامی کے ترجمان سہ روزہ ''ایشیا'' میں مولوی صاحب کا یہ اعلان ان الفاظ میں شائع ہوا تھا:

''مولانا احمد علی خطیب جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ نے کراچی اور لاہور میں مختلف اوقات پر کئی بار اپنے جمعہ کے خطبات میں فرمایا کہ انہیں شاہی قلعہ میں انوار برستے نظر آتے ہیں۔۔۔ ہائی کورٹ کے ایک وکیل صاحب نے ان کے بیان کے مطابق مولانا سے اس بشارت کی وضاحت کے لئے کہا تو آپ نے بتایا کہ یہ انوار حضور داتا گنج بخش مظہر خدا فیض عالم پر برستے ہیں جو اس قلعہ میں مدفون ہیں، مولانا نے اس انکشاف کے بعد ایک بار شیرانوالہ کی مسجد میں ہزاروں کے مجمع میں یہی بات کہی۔'' (۹۶)

مولوی صاحب اگر اس فرضی مزار کی جگہ کی نشاندہی کر دیتے تو اس جگہ

کھدائی کر کے انہیں بتایا جا سکتا تھا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ ایسا کرنے سے لوگ اس جگہ کو سجدہ گاہ بنالیں گے، اس سلسلہ میں ان کے دو بیانات ملاحظہ فرمائیں:

☆ مجھے شاہی قلعہ لاہور کی غربی دیوار کے پاس ایک خاص قسم کی خوشبو آتی ہے، وہاں میں ایک ولی کو مدفون پاتا ہوں، مجھے ان کے سر اور پاؤں کا بھی علم ہے، میں باطن کی آنکھ سے دیکھ چکا ہوں مگر بتاتا اس لئے نہیں کہ لوگ سجدہ گاہ بنالیں گے۔ (۹۷)

☆ لاہور کے شاہی قلعہ میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں اور اللہ کے فضل سے میری آنکھوں میں تمام نقشہ صاف طور پر ہے، انوار نظر آتے ہیں اور میں بفضلہٖ تعالیٰ جگہ کا بھی تعین کر سکتا ہوں کہ کہاں آپ کے پاؤں مبارک ہیں اور کہاں سر مبارک ہے، عوام کو نہ سہی، خواص ہی کو بتا دوں مگر ڈرتا ہوں کہ لوگ ان کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ ہم نے ایک بندے کو جاہل لوگوں سے مخفی رکھا اور ان کی قبر کو سجدہ گاہ بننے سے بچایا ہوا تھا، تم نے کیوں لوگوں کو بتا دیا۔ (۹۸)

ہماری جچی تلی رائے یہ ہے کہ مولوی احمد علی لاہوری صاحب کشف نہیں تھے کیونکہ اگر ان کا مذکور بالا دعویٰ صحیح ہوتا تو حضرت داتا گنج بخش کی وفات کے بعد سے لے کر ان کے دور تک جو لاتعداد بزرگان دین گزرے ہیں، وہ اس امر کا انکشاف کر لیتے اور خود بھی موجودہ مزار مبارک پر حاضری نہ دیتے، اس کا تفصیلی تذکرہ ہم آگے چل کر کریں گے، یہاں صرف یہ عرض کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ مولوی صاحب اس صورت حال سے تنگ آچکے تھے، کہ ان کے پاس کوئی بھی مسلمان جانے سے کتراتا تھا جبکہ حضرت داتا صاحب کے مزار پر ہر وقت مسلمانوں کا ہجوم رہتا تھا، لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے انہوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ حضرت داتا صاحب کا مزار مبارک تو شاہی قلعہ لاہور میں ہے، لوگ خواہ مخواہ ایک فرضی مزار پر جا کر اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، ہماری اس رائے کی اس بات سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ مولوی صاحب کے چاہنے والوں نے لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانے کی

کوشش کی کہ ان کے حضرت صاحب زندہ علی ہجویری ہیں، اس لئے حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کچھ لینا ہے تو مولوی صاحب کی غلامی اختیار کرو، بھالیکے کی جامع مسجد کے خطیب مفتی ابوالشفاء کا بیان ہے کہ:

''ہمارے ہاں ایک مجذوب نے محویت اور جذب کے عالم میں چند باتیں فرمائیں، اس نے استغراق وانہماک مجذوبانہ میں پکار کر کہا کہ لوگو! تمہارا خیال ہے کہ لاہور میں صرف ایک علی ہجویری علیہ الرحمہ ہیں، آؤ اگر زندہ علی ہجویری دیکھنا ہو تو شیرانوالہ دروازہ میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب کو دیکھو مگر ان کا وقت تھوڑا سارہ گیا ہے۔'' (۹۹)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے متعلق ایک اور بد نصیب شاکر رضوانی نامی شخص نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ:

''حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ولی کی قبر کا تعین کرے، خواہ یہ تیقن حاصل کرنے کی غرض سے یہاں سے انسانی ڈھانچہ کے آثار دیکھنے کے لئے قبر ہی کیوں نہ کھودنا پڑے، اگر یہی قبر اس ولی کا مدفن ہوا تو اس کا جسم اور کفن صحیح سالم ہوگا اور اگر یہاں کوئی شخص مدفون نہ ہوا تو یہاں سے انسانی ڈھانچہ نہیں ملے گا، اس صورت میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہاں پر کسی قبر کا وجود نہیں تھا تا آنکہ شہنشاہ اکبر نے لوگوں کو شاہی محل سے دور رکھنے کے لئے یہ جعلی قبر تعمیر کروائی۔'' (۱۰۰)

کانگریسی ذہن کے افراد ہمیشہ ایک تیر سے دو شکار کھیلنے کے عادی ہیں، مذکور بالا اشتعال انگیز بیان سے ایک مقصد تو اولیاء اللہ سے مسلمانوں کو متنفر کرنے کی مذموم کوشش تھی، دوم یہ کہ حضرت داتا صاحب کے عقیدت مند مشتعل ہو کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور ملک افراتفری کا شکار ہو جائے، لیکن سنی قائدین نے اپنے معتقدین کو پر امن رہنے کی تلقین کی، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا، یہ صحیح ہے کہ ہلکا پھلکا احتجاج ہوا جو ایک فطری امر تھا لیکن اس احتجاج نے ملک گیر تحریک کی شکل اختیار نہیں کی، اس کے علاوہ سنی اہل قلم نے مخالفین عظمت اولیاء کو محکم دلائل سے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا جس کا خلاصہ یہاں پیش خدمت ہے:

کسی بھی پرانے مزار کی جگہ کا تعین کرنے کے لئے مسلمانوں کی گواہی کو معتبر سمجھا جاتا ہے، اگر اس اصول سے روگردانی کی جائے تو کسی ولی کے مزار کے متعلق بھی یہ پروپیگنڈا کیا جاسکتا ہے کہ وہ جعلی ہے، کتاب وسنت کے احکامات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں پر افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔''

اس طرح حضرت انس سے روایت ہے، آپ نے بیان کیا کہ بعض صحابہ کرام کا ایک جنازہ پر سے گزر ہوا تو انہوں نے اس کی تعریف کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، واجب ہوگئی، پھر ان کا ایک دوسرے جنازہ پر سے گزر ہوا، اس کی انہوں نے برائی کی تو جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، واجب ہوگئی، حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا، کیا چیز واجب ہوگئی، آپ نے فرمایا، اس کی بھلائی کی تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور اس کی تم نے برائی کی تو اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ (بخاری ومسلم) (۱۰۱)

اس ارشاد ربانی اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسئلہ پر امت مسلمہ کا اجماع حجت ہے، چونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس وہی ہے جہاں مسلمان ان کی وفات سے لے کر آج تک حاضری دیتے چلے آرہے ہیں، اس لئے کوئی شرارتی شخص ہی اس کے متعلق غلط فہمی پیدا کر کے مسلمانوں کو ذہنی کوفت سے دوچار کرسکتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش کا مزار آپ کے وصال کے بعد، تقریباً آٹھ سال بعد سلطان ابراہیم غزنوی مرحوم نے تعمیر کروایا تھا، سلطان کو آپ سے بہت عقیدت تھی اور وہ ننگے پاؤں چل کر مزار پر حاضری دینے آتا تھا، مغل بادشاہوں کو بھی حضرت علی ہجویری کی ذات گرامی سے بے حد روحانی عقیدت رہی، چنانچہ حضرت گنج بخش کے

مزار کا تابوت جو سنگ مرمر کی صرف ایک سِل کا بنا ہوا ہے، مغل شہنشاہ شہاب الدین شاہجہان کے بیٹے داراشکوہ نے بنوایا تھا۔ (۱۰۲)

مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اپنے اس سفید جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے وہ قرآن وسنت سے دلائل پیش کرتا تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مخالفین اہل سنت نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے بارے کس دلیل کا سہارا لیا، مولوی احمد علی لاہوری نے تو اپنے کشف کے بل بوتے پر انکشاف کیا، جبکہ شاکر رضوانی نے لکھا کہ:

''ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور جگہ ہو، شاید اکبر کے قلعہ کے ایک کونے میں مدفون ہوں''۔ (۱۰۳)

اس سلسلہ میں مولانا محمد رشید نقشبندی کی تحقیق پیش خدمت ہے:

''اس تحریر کے پس پردہ کسی گستاخ کا ہاتھ ہے، اس قسم کی افواہیں آئے دن ایسے لوگ پھیلاتے رہتے ہیں جو صوفیاء کرام کے مزارات پر حاضری کو بدعت وشرک سمجھتے ہیں، آج سے کئی سال قبل بھی لاہور کے ایک بدعقیدہ مولوی نے اسی قسم کا اعلان داغ دیا تھا کہ یہ مزار حضرت داتا صاحب کا نہیں ہے، موصوف کے اس بیان واعلان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے، پاکستان ٹائمز کی مذکور بالا تحریر کے خلاف بھی اس وقت لاہور کے ہر گلی کوچے میں اور ہر مسجد میں احتجاج کیا جارہا ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ کوئی عقیدت مند عدالت میں بھی چیلنج کردے، حقیقت حال یہ ہے، مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں داراشکوہ لکھتا ہے:

''قبر درمیان شہر مغربی واقعہ شدہ''

داراشکوہ کے اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے:

''مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے''۔

اس ترجمہ اور لاہور کا نقشہ تبدیل ہوجانے کے سبب داراشکوہ کی یہ تحریر بھی مبہم ہوگئی ہے، اس جملے کا ترجمہ اہل تحقیق کے نزدیک اس طرح ہے:

''ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے مغرب کی جانب واقع ہے۔''

داراشکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے:

''داراشکوہ نے یہ کہا ہے کہ ''قبر شہر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے'' یہ کچھ عجب سا بیان ہے، اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے، البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو یہ آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا، دریا اس وقت قلعہ کے نیچے بہتا تھا، اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا، چنانچہ ایک انگریز سیاح نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا، اسی ترتیب سے ان مواضع کا ذکر کیا ہے، گو وہ جسد شکر گنج کہتا ہے بجائے جسد گنج بخش کے۔'' (۱۰۴)

اس سلسلہ میں چند مزید دلائل نذر قارئین ہیں:

☆ کشف المحجوب کو مخالفین بھی حضرت داتا گنج بخش کی تصنیف مانتے ہیں، صرف اس دلیل پر کہ مسلمانوں کی گواہی ہے کہ یہ کتاب حضرت داتا صاحب نے تحریر فرمائی ، اگر آج کوئی یہ اعلان کر دے کہ دنیا بھر میں کشف المحجوب کے جو نسخے دستیاب ہیں، وہ سب کے سب جعلی ہیں تو ہمارے پاس سوائے مسلمانوں کی شہادت کے اور کوئی ثبوت موجود نہیں، گویا مخالفین بھی مذکورہ گواہی کی بنیاد پر ہی اسے حضرت داتا صاحب کی تصنیف مانتے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے مزار پرانوار کے بارے میں اسی نوعیت کی شہادت کو تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے۔

☆ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھاٹی دروازہ کے باہر مغربی حصے میں ایک مسجد تعمیر کرانا شروع کر دی جس کا رخ دوسری مسجدوں کی نسبت قبلہ سے جنوب کی طرف مائل تھا، اس وقت لاہور میں موجود علماء نے مسجد کے قبلہ کے متعلق کچھ اعتراضات کرنا شروع کر دیئے کہ مسجد کا قبلہ درست نہیں ہے، ان باتوں کی

اطلاع حضرت داتا صاحب کو ملی تو انہوں نے مسجد کی تعمیر مکمل ہونے پر تمام علمائے کرام اور دینی رہنماؤں کو دعوت دی اور خود امام بن کر مسجد میں نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر حضرت داتا صاحب نے نماز میں شریک تمام حضرات سے فرمایا کہ آپ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ مسجد کا قبلہ درست نہیں، مگر اب آپ دیکھیں کہ قبلہ کس طرف ہے، لوگوں نے قبلہ کی طرف آنکھیں اٹھائیں تو قبلہ ان کے سامنے تھا، تمام لوگ پکار اٹھے کہ ہم نے قبلہ کا رخ ہی نہیں دیکھا، قبلہ دیکھا ہے۔(۱۰۵)

وصال حق کے بعد آپ کو اسی شہر میں دفن کیا گیا اور انہیں اپنی تعمیر کردہ مسجد کے پہلو میں جگہ ملی۔(۱۰۶)

جو لوگ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک قلعہ میں بتاتے ہیں، اس واقعہ سے ان کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کیونکہ قلعہ میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیر کردہ مسجد موجود نہیں جبکہ موجودہ مزار مذکورہ مسجد کے پاس ہے۔

☆ سب سے پہلے جس غیر مسلم کو آپ نے حلقۂ بگوش اسلام کیا، وہ والی کابل کی طرف سے پنجاب کا نائب حاکم رائے راجو تھا، جو ہندو تھا، آپ نے اسے فیض سے مستفید فرما کر شیخ ہندی کے لقب سے نوازا، اس کی نسل کئی صدیوں تک مزار عالیہ کی متولی رہی، آپ کے کوئی اولاد نہ تھی، قبول اسلام کے بعد شیخ ہندی ایک عظیم مبلغ بن گئے، اب ان کے شب و روز عبادت و ریاضت اور مجاہدات میں بسر ہونے لگے، موصوف ممدوح نے ساری زندگی حضور داتا گنج بخش ؒ کے قدموں میں گزار دی اور وہ روحانی فیض حاصل کیا جو اپنی مثال آپ ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ(۱۰۷)

حضرت داتا گنج بخش ؒ کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت شیخ ہندی ؒ نے آپ کے تبلیغی مشن کو جاری و ساری رکھا اور حضور داتا گنج بخش کی مسجد میں اکیس سال تک امامت کے فرائض سر انجام دیئے اور عوام الناس کو ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے نوازتے رہے اور ہزاروں غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔(۱۰۸)

حضور قبلہ عالم شیخ ہندی کا مزار پر انوار حضور داتا گنج بخش کے مزار مقدس کی بائیں جانب میں آج بھی مرجع خلائق اور مصدر فیوض و برکات ہے۔(۱۰۹)

اور اس بات کا نا قابل تردید ثبوت ہے کہ حضرت داتا صاحب کا موجودہ مزار پر انوار اصلی ہے نقلی نہیں۔

☆ معروف دیوبندی مولوی قاضی محمد زاہد الحسینی رقمطراز ہیں کہ:

''آپ کے بعد برصغیر میں وارد ہونے والے ہر صوفی نے آپ کے دربار کی حاضری دی، خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار پر حاضری دی اور قریب ہی حسب دستور صوفیہ چلہ کشی کی اور فیض و برکت سے مالا مال ہو کر جب رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما(۱۱۰)

جبکہ ایک اور دیوبندی مولوی مقبول احمد سیوہاروی نے مذکورہ شعر اس طرح نقل کیا ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اور لکھا ہے کہ ''چلہ کی جگہ اب بھی موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں''۔(۱۱۱)

اسی طرح حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر یہاں اعتکاف فرمایا اور چلہ کشی کی اور اکتساب فیوض و برکات حاصل کرتے رہے، چنانچہ حضرت سید مخدوم علی ہجویری کے آستانہ عالیہ سے ذرا فاصلہ پر آپ کی جائے اعتکاف بھی موجود ہے، آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ازراہ ادب جب بھی مرقد مبارک پر حاضر ہوتے تو گھٹنوں اور کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے حاضر ہوتے۔(۱۱۲)

محترم محمد دین کلیم قادری، مؤرخ لاہور، نے ان بزرگوں اور بادشاہوں کی

ایک نامکمل فہرست پیش کی ہے جو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے، وہ لکھتے ہیں:

''لاہوری صوفیہ کے علاوہ جو صوفیہ اور اولیاء باہر سے آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے، ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی اس طرح ہیں، سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت شیخ بہلول دریائی خلیفہ حضرت امام شاہ بری لطیف، حضرت بوعلی قلندر پانی پتی، حضرت گیسو دراز، بندہ نواز غریب نواز گلبرگوی، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی دہلوی، حضرت نوشہ گنج بخش قادری، حضرت محمد فخر الدین محبّ النبی دہلوی، حضرت خواجہ میر حسن علائی سجزی، حضرت شیخ المشائخ شمس الدین ہراتی قادری، قطب الاقطاب شیخ کمال قادری، شیخ الاولیاء ملا محمد قادری اور متاخرین صوفیاء میں یہ نام بہت مشہور ہیں، مولانا غلام محی الدین قصوری خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی، خواجہ اللہ بخش تونسوی، میاں محمد شاہ چشتی ہوشیار پوری، سائیں توکل شاہ نقشبندی انبالوی، شاہ ابوالخیر نقشبندی دہلوی، شاہ قاری سلیمان پھلواری شریف، شاہ علی حسین کچھوچھوی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، سید علی احمد شاہ گیلانی ڈیرہ غازی خان، ابوالحامد سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا حامد رضا خان بریلوی، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی، سید یوسف الگیلانی نقیب الاشراف بغدادی، مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی، حضرت مخدوم محمد عمر بخش قادری، حضرت رحمت اللہ قادری، حضرت میاں شہاب الدین قادری لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ۔

سربراہان مملکت اور بادشاہ جو اس مرقد منور پر جبین سا ہوئے، جہاں دنیائے اسلام کے بے شمار مشائخ کرام اس مزار مقدس پر حاضری دینا فخر خیال کرتے ہیں، اس طرح سربراہان مملکت اسلامیہ وغیرہ بادشاہ اور اکابرین یہاں حاضری باعث نیازمندی تصور کرتے تھے، چند ایک ان لوگوں کے نام دیئے جاتے ہیں، سلطان ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی، سلطان الدولہ بن ارسلان شاہ غزنوی، سلطان معز الدولہ غزنوی بن بہرام شاہ، سلطان خسرو شاہ غزنوی، سلطان محمد غوری، سلطان قطب

الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش، سلطان غیاث الدین بلبن، شہنشاہ جلال الدین اکبر، نور الدین محمد جہانگیر، صاحبقران شہاب الدین شاہجہان، محی الدین اورنگ زیب، شہزادہ دارا شکوہ اس مرقد پاک پر حاضر ہوتے رہے، پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد جو بھی بادشاہ، صدر یا وزیر اعظم اس ملک میں آتا، وہ لاہور آکر ضرور اس مرقد منور پر جبین سا ہوتا، اس کے علاوہ پاکستان کے جتنے بھی صدور اور وزرائے اعظم ہوئے وہ اپنی پہلی فرصت میں یہاں ضرور حاضری دیتے رہے، غیر ملکی رہنمائے کرام میں ملائشیا کے وزیر اعظم تنکو عبد الرحمٰن، انڈونیشیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر آدم ملک، بیشتر عرب ریاستوں کے حکمران اور سفیر یہاں حاضری باعث فخر سمجھتے تھے، وہ جب بھی مدینۃ الاولیاء لاہور آتے، ضرور حاضری دیتے رہے"۔ (۱۱۳)

شاکر رضوانی سمیت سب مخالفین اہل سنت، قرآن وسنت سے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکتے کہ کسی قبر کو اس غرض کے لئے کھودنا جائز ہے کہ وہاں کوئی ولی اللہ دفن ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی علماء دیوبند کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کو ایک بار دفن کرنے کے بعد دوبارہ اس کی قبر کو کھولنا جائز نہیں سوائے اس کے کہ وہ سیلاب کی زد میں آجائے یا زمین غصب کی ہوئی ہو یا شفعہ کی زمین ہو (یعنی بعد میں کسی نے شفعہ کر کے اس زمین کو حاصل کر لیا ہو اور اب وہ قبر کی اجازت دینے سے انکاری ہو، وغیرہ وغیرہ)، یہ متفق علیہ فتویٰ اس وقت سامنے آیا تھا، جب مولوی عبد القادر رائے پوری بھارت سے پاکستان آکر لاہور فوت ہو گئے تھے، عقیدت مندوں کی خواہش یہ تھی کہ انہیں لاہور یا رائے پور (بھارت) میں دفن کیا جائے لیکن انہیں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں دفن کر دیا گیا، چاہنے والوں نے قبر کھود کر میت لاہور یا رائے پور لے جانے کی کئی بار درخواست کی لیکن اکابر علمائے دیوبند نے ان کی درخواست مسترد کر دی اور فتویٰ دیا کہ ایسا کرنا شرعی لحاظ سے جائز نہیں۔ (۱۱۴)

سجادہ نشینان حضرت داتا گنج بخش و مجاور قومی موومنٹ مین بازار داتا دربار لاہور کی جانب ایک اشتہار شائع ہوا تھا، جس میں شاکر رضوانی کے مضمون کا رد ان الفاظ میں کیا گیا تھا:

''اٹل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں سے موجودہ مقام پر ہی اپنے روحانی پیشوا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو دفن فرمایا، اس سلسلہ میں کسی قسم کا شبہہ اور غلط فہمی کی قطعاً گنجائش نہیں، بغض اولیاء کے شکار بعض بد بخت لوگ سازش کر رہے ہیں، حکومت پنجاب سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ پاکستان ٹائمز اخبار کے سازشی، شرارتی اور بے لگام ذمہ دار عناصر کا محاسبہ کرے اور ان کے خلاف فوری سخت ترین کارروائی کرے ورنہ نتائج کی ذمہ داری حکومت پنجاب پر ہوگی''۔ (۱۱۵)

سنی اہل قلم نے شاکر رضوانی کی طرح، مولوی احمد علی لاہوری کا بھی تعاقب کیا اور انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا، ان کی تحریروں سے چند اقتباسات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''اس عہد کے مشہور صاحب کشف و کرامت بزرگ حضرت سید جلال شاہ گیلانی قادری چک سادہ شریف، گجرات، اور امام العارفین حضرت شیخ فضل نور قادری نوری و حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور حضرت خواجہ میاں محمد خان صاحب چشتی ہوشیارپوری رحمہم اللہ حضرت کے مزار پر بالالتزام حاضر ہوا کرتے تھے اور دامن مراد بھر کر لوٹتے تھے، ان کو حضرت داتا گنج بخش سے شرف ہم کلامی ہوتا رہا، چنانچہ حضرت سید جلال شاہ گیلانی قادری اور حضرت میاں صاحب، حضرت داتا گنج بخش صاحب سے ہم کلامی کا بعض اوقات خواص میں ضرورتاً ذکر بھی فرمایا کرتے تھے۔

قریب العہد بزرگوں کے نام اس لئے لکھے گئے ہیں کہ چند سال ہوئے، لاہور کے ایک مدعی کشف سنی نما وہابی نے از راہ حسد یہ اعلان کیا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں ہے، اسی وقت ایک اللہ والے نے کشف کے مدعی مولوی کو بذریعہ اخبار زمیندار چیلنج کیا کہ آپ میرے ساتھ دربار داتا صاحب پر حاضر ہوں، میں آپ کی بات چیت داتا صاحب سے کرا دوں گا، اس پر مولوی صاحب کا کشف حجاب بن کر رہ گیا۔''(۱۱۶)

☆ حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا موجودہ مزار ہی آپ

کا حقیقی مدفن ہے اور صدیوں سے میرے آباؤ اجداد اسی مزار داتا پر حاضر ہوتے آ رہے ہیں، یہی مزار فائض الانوار، زمانہ قدیم سے مرجع خواص وعوام چلا آ رہا ہے، بڑے بڑے عارفین اور سر خیل اولیاء یہاں سے فیضیاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے، یوں تو جملہ ارباب یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش کے مزار ہیں مگر جہاں حضرت سید علی ہجویری محو استراحت ہیں، وہ مقام بوسہ گاہ عالم، قبلہ اہل صفا اور کعبہ عشاق ہے، یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیاء ظاہرین ومستورین کا ہجوم رہتا ہے، پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقامات مقدسہ سے زیادہ ذکر خدا اور ذکر محبوب خدا ﷺ ہوتا ہے اور یہ تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے جہاں ہر وقت حاجت مند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری م ۱۹۹۹ء (۱۱۷)

☆ دیوبندی مکتب فکر کے ترجمان نام نہاد ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کراچی نے ۲۰ر جولائی ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

''لوگو! تمہارا خیال ہے کہ لاہور میں صرف ایک علی ہجویری ہے، اگر زندہ علی ہجویری کو دیکھنا ہو تو شیرانوالہ دروازہ میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو دیکھ لو''۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔۔۔

نام نہاد رسالہ ''ختم نبوت'' نے ایک مجذوب کے حوالہ سے جو بات نقل کی ہے، درحقیقت دیوبندی وہابی مسلک کی عکاسی کی ہے اور۔۔۔اس طرح حضور گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا کی تحقیر وتنقیص کی ہے کہ آپ کو تو صرف علی ہجویری لکھا ہے اور معاذ اللہ وہ بھی مردہ، جبکہ آپ کے بالمقابل دیوبندی مولوی احمد علی لاہوری کو زندہ قرار دیا ہے اور اسے حضرت مولانا احمد علی لکھا ہے، یہ شقاوت ازلی وخبث باطنی کا

مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔

وہابی گرچہ اخفا می کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا

پھر یہ کیسی شقاوت و کذب بیانی ہے کہ حضور گنج بخش فیض عالم کے بالمقابل مولوی احمد علی دیو بندی کو بھی علی ہجویری بنا دیا ہے اور اپنے الفاظ و انداز میں اسے حضور داتا صاحب پر فوقیت دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کہاں گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا اور کہاں مولوی احمد علی دیو بندی جس کی قبر و مقام کا نہ کوئی معروف نام و نشان ہے نہ اہل عقیدت کا وہاں آنا جانا ہے جبکہ ''گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا کے دربار گوہر بار پر ۲۴ گھنٹے مخلوق خدا کی حاضری ہوتی ہے، گنج بخشی و فیضان عام کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تبرک تقسیم ہوتا ہے، لوگ قرآن خوانی و نعت خوانی و ذکر اذکار میں مصروف ہوتے ہیں اور ہر جمعرات کو گنج بخش فیض عالم کی محبوبیت و قبولیت کا خصوصی مظاہرہ ہوتا ہے اور سالانہ عرس مبارک کا تو کہنا ہی کیا ہے جبکہ نام نہاد علی ہجویری مولوی احمد علی دیو بندی کا یہ حال ہے کہ:

کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو۔ (۱۱۸)

☆ حضرت خواجہ معین الدین چشتی جنہوں نے حضرت داتا صاحب کے مزار پر انوار پر جو چلہ کاٹا، لاہوری مولوی صاحب کے نزدیک وہ بھی بھولے ہی رہے۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کا اعلان محض اولیاء دشمنی کا ایک مظاہرہ ہے۔ (۱۱۹)

اسی سلسلہ کی ایک نئی اور تازہ کڑی بھی ملاحظہ فرمائیے، اخبارات میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

''مقبوضہ کشمیر کے سابق کٹھ پتلی وزیر اعظم بخشی غلام کے متعلق اطلاع آئی ہے کہ اس نے حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس کے موقع پر شراب پی کر درگاہ شریف میں شرمناک اور فحش حرکات کا ارتکاب کیا اور اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا گیا ہے

کہ بخشی کے پروردہ ایک شخص نے تقریر کی اور یہ شرانگیز دعویٰ کیا کہ وہ مبینہ تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ دفن نہیں ہیں اور یہ درگاہ فرضی ہے۔" (۱۲۰)

معاصر "تنظیم اہلحدیث" لاہور نے مولوی احمد علی صاحب کے اسی کشف کا سہارا لے کر لکھا ہے:

"حکومت کو چاہیے کہ بتدریج اس ذہنیت کو ختم کرے اور جو مقابر موجود ہیں، ان کا سروے کرے، جو فرضی ہیں، ان کو مسمار کردے تاکہ دنیا میں شرک و بدعت کا یہ جال کچھ اور بھی کم ہو جائے۔ تنظیم اہلحدیث ۴ ستمبر ۱۹۶۴ء

ناظرین کرام! ان حضرات کے دلی جذبات کو ملاحظہ فرمایئے، ایک صاحب نے حضرت داتا صاحب کے مزار پر انوار کو غیر یقینی بتایا، دوسرے صاحب نے حضرت نظام الدین اولیاء کو فرضی بتایا اور یہ تیسرے صاحب دیگر مزارات کے متعلق بھی اسی شک و شبہہ کو سامنے لا کر حکومت کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ ان مزارات کو گرا کر وہ "نجدیت" کا مظاہرہ کرے۔

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ معاصر مذکور کی اس ذہنیت جیسی ذہنیت کو ختم ہونا چاہیے ورنہ دنیا بھر کی کوئی قبر اس زد سے بچ نہیں سکتی اور اس قسم کے افراد ہر جگہ یہ شور مچا سکتے ہیں کہ یہ قبر جس کی طرف منسوب ہے، یہ نسبت غیر یقینی ہے، خدا جانے اس کا جسم کہاں ہے اور اس کی قبر کہاں ہے۔ (۱۲۱)

دیوبندی مکتب فکر کے ایک اور مولوی اللہ یار خان سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ اویسیہ منارہ ضلع چکوال نے وضاحت کی تھی کہ:

"قلعہ لاہور میں ایک غوث مدفون ہیں، علی ہجویری نام ہے، یہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے الگ دوسری شخصیت ہیں۔" (۱۲۲)

اس کے علاوہ جماعت اسلامی اور مسلک دیوبند کے کئی مرکزی راہنما موجودہ مزار مبارک کو حضرت داتا صاحب کا اصلی مزار سمجھ کر ہی حاضری دیتے رہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس قسم کے متضاد بیانات جاری

کرنے سے ان لوگوں کا مقصد محض شکوک وشبہات پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا، جب حضور داتا گنج بخش کے عقیدتمندوں نے ان کے دعوؤں کو یکسر نظر انداز کر دیا تو انہوں نے خاموشی اختیار کر لی، اس حد تک تو یہ بات قابل برداشت تھی لیکن خوف خدا سے بے نیاز بعض لوگوں نے اپنے بزرگوں کو حضرت داتا گنج بخش سے بڑے ولی اللہ ہونے کا پرچار کرنا شروع کر دیا تھا، ان کا یہ ناپسندیدہ اقدام یقیناً قابل مواخذہ تھا لیکن اس سلسلہ میں کوئی جدوجہد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اللہ تعالیٰ نے ان "بزرگوں" کی یاد مسلمانوں کے دلوں سے محو کر دی اور آج دیگر بزرگان دین کی طرح حضرت داتا صاحب کے آستانہ عالیہ پر ہی رونق نظر آتی ہے جبکہ افواہیں پھیلانے والوں کا کوئی نام تک لینا گوارا نہیں کرتا۔

مولوی احمد علی لاہوری کے "زندہ علی ہجویری" ہونے کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، ان ہی خطوط پر مولوی اللہ یار خان نے خود تو کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ اپنے ایک مرید مولوی فضل حسین صاحب کو ورغلانے کے لئے ایک خط میں لکھا تھا کہ:

"آپ کا مدت سے خط نہ آنا، امید کرتا تھا، ایک دن حضرت داتا صاحب سے دریافت کیا تھا، آپ کے متعلق تو فرمایا کہ دل تو ان کا آپ کے ساتھ ہے۔" (۱۲۳)

اگر مولوی صاحب حضرت علی ہجویری کو "داتا" تسلیم کرتے تھے اور ان کی اس روحانی قوت کا بھی اقرار تھا کہ وہ ہم سب لوگوں کو نہ صرف پہچانتے ہیں بلکہ ہمارے دلوں کے ہر راز سے بھی واقف ہیں، تو انہیں اپنے مسلک سے توبہ کر کے سنی ہو جانے کا اعلان کر دینا چاہیے تھا، انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اس سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ مصنوعی طریقے سے اپنی دکان چمکانا چاہتے تھے۔

اس درگاہ سے اس قسم کا "فیض" اور بھی کئی لوگ حاصل کرتے رہتے ہیں، ان پر پابندی لگانا کسی کے بس کی بات نہیں لیکن ہمیں دکھ مولوی اللہ یار خان کے ایک معتقد "قادری" صاحب کے اس بیان سے ہوا کہ:

"حضرت لاہور تشریف لے گئے، ملک خدا بخش صاحب، حضرت داتا

صاحب کے مزار پر حاضری کے لئے گئے، داتا صاحب نے فرمایا، ''خدا بخش! کسی طرح حضرت سے عرض کرو، میرے پاس تشریف لائیں'' ملک صاحب نے جا کر سلام عرض کیا اور داتا صاحب کا پیغام بھی، تو آپ مزار پر تشریف لے گئے، کیا فوائد و اثرات ہوئے، یہ تو اللہ جانے یا وہ بزرگ۔ لیکن حضرت داتا صاحب، ملک صاحب کے ابھی تک بے حد ممنون ہیں''۔ (۱۲۴)

اس واقعہ کا تجزیہ اگر تقویۃ الایمان اور اس مکتب فکر کی بعض دوسری کتب کی روشنی میں کیا جائے تو خود مولوی اللہ یار خان اور ان کے مریدوں کا اسلام سے رخصتی مصافحہ ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن چونکہ ہم نے خود پچھلے صفحات میں مخالفین کی تحریروں سے ایسے اقتباسات پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ مخالفین اور اہل سنت کے مابین ان مسائل میں اتفاق رائے پیدا ہو جائے اور اول الذکر اپنی ان کتابوں خود ہی مسترد کر دیں جن میں راہ راست سے انحراف کیا گیا ہے، اس لئے ہم مناظرانہ بحث میں الجھے بغیر اس طبقہ کے اہل قلم سے یہی گزارش کریں گے کہ وہ اپنے بزرگوں کی تعریف کرنے میں بیشک بخل سے کام نہ لیں لیکن سرحد پار کرنے سے گریز فرمائیں۔

زیر بحث واقعہ میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولوی صاحب سے، ملنے کے لئے بے تاب جبکہ موصوف بالکل بے نیاز تھے، اس طرح کے من گھڑت واقعات سے اصل بزرگوں کے عقیدت مندوں کی دل آزاری ہوتی ہے، اس کے علاوہ خود مولوی صاحب جیسے ''بزرگ'' اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں کہ ان کے عقیدت مند ان کا ہر دعویٰ ماننے پر آمادہ ہیں، اس لئے وہ بھی سرحد پار کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں، مثال کے طور پر مولوی اللہ یار خان کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ حضور داتا صاحب نور اللہ مرقدہ سے گفتگو کرنے کی اہلیت رکھنے کا اپنا مقام تسلیم کروانے پر راضی تھے لیکن مذکور بالا واقعہ سے انہوں نے اندازہ لگالیا کہ ان کے مقلدین اس سے بھی ان کا اعلیٰ مقام ماننے کے سلسلہ میں ذہنی طور پر آمادہ ہیں تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ سمیت تمام بزرگوں سے بڑھ کر منفرد خصوصیات کے مالک ہیں، حافظ غلام قادری صاحب رقمطراز ہیں:

''چکڑالہ میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا، اللہ کریم نے مجھے تمام اولیاء کرام کی نسبت تین خصوصی انعامات سے نوازا ہے، جو کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئے:

۱۔ اولیائے کرام برزخ والوں سے فیض حاصل تو کرتے رہے ہیں لیکن کسی نے انہیں فیض دیا نہیں جبکہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس نعمت عظیم سے نوازا ہے، میں نے برزخ والوں کو فیض دیا ہے۔

۲۔ اگر میں کسی پہاڑ کو ٹھوکر ماردوں تو وہ سونا بن جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کا ذرہ بھر لالچ نہیں رکھا۔

۳۔ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو لیکن عذاب قبر میں مبتلا ہو، اس کو توجہ دوں تو اس کا عذاب قبر معاف ہو جاتا ہے۔(۱۲۵)

اگر مولوی صاحب واقعی ولی اللہ ہوتے تو ایسی باتیں ہرگز نہ کرتے۔ در اصل ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ لوگ انہیں پہنچا ہوا بزرگ سمجھیں، غالباً اسی لئے انہوں نے درج بالا دعویٰ کیا ورنہ غیر تو غیر ''حضرت صاحب'' کے اپنے ہم مسلک لوگوں کو بھی یہ یقین تھا کہ بزرگی تو رہی ایک طرف، ان کی بعض باتیں بیحد خطرناک تھیں، تفصیل کا یہاں موقع نہیں، ان کی ایک تصنیف ''دلائل السلوک'' کے متعلق دیوبندی اہل قلم کے تاثرات پیش خدمت ہیں جنہیں پڑھ کر قارئین آسانی سے یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ بزرگوں کی فہرست میں انہیں جگہ مل سکتی ہے یا نہیں:

☆ ''کتاب دلائل السلوک (۱۲۶) کی ایک عمومی روح ہے اور ایک خصوصی مقصد، عمومی روح سے فتنے کی بو آرہی ہے، اس میں دعوت الی الشخصیت یعنی ذات خود ہے جیسے ص ۳۸ میں ہے، دربار نبوی میں پیش کرتا ہوں، پھر لکھا، جو ایسا نہ کرے، دھوکہ باز ہے یا یہ کہ چھ ماہ میں روح سے کلام کرے گا یا یہ کہ مومن کا قلب اتنا منور ہو جائے کہ اس کی روشنی میں عرش نظر آجائے، ایسے سب دعوے تسویل نفس ہے جو مقام فنا کے خلاف ہے''۔(۱۲۷)

☆ (کتاب دلائل السلوک میں) بعض جگہ ان کی جدلی ٹکر سے پورے دین کے لئے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ: ''کوئی کہتا ہے کہ اس (کشف) میں غلطی کا احتمال

ہے، اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ دین نقل ہے اور نقل خبر ہے اور خبر میں احتمال صدق و کذب دونوں کا ہے تو پھر اس احتمال پر پورے دین کو چھوڑ دینا چاہیئے''۔ (ص ۱۲۴۔۱۲۳)

اف توبہ! علمائے ظاہر کی سطحیات اور صوفیاء کی شطحیات سنی تھیں لیکن علمائے جدل کی نطحیات کا یہ انوکھا تجربہ ہوا، کشف میں غلطی اور پورے دین میں غلطی، دونوں کا ایک حکم؟ ''فرق مراتب نہ کنی زندیقی'' کیا کسی نے غلط کہا تھا؟ کیا پورے دین میں ''احتمال کذب'' کا شعلہ خرمن ایمان کو خاکستر نہیں کر دے گا، استغفر اللہ۔

مدیر ماہنامہ بینات (۱۲۸)

مولوی احمد علی لاہوری کے اس دعویٰ کہ حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کا مزار مبارک شاہی قلعہ لاہور میں ہے، پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف دیوبندی دانشور، ہفت روزہ چٹان کے ایڈیٹر شورش کاشمیری نے لکھا کہ:

''ایک اخبار نے مقالوں کی زردی اور خبروں کی سردی سے عاجز آکر سوچا، کوئی شوشہ چھوڑنا چاہیے، مولانا احمد علی کے حوالے سے خبر نما مضمون تیار کیا کہ حضرت داتا گنج بخش جہاں دفن ہیں، وہاں ان کا مزار نہیں، کسی وجہ سے یہ مزار ان کے نام منسوب ہو گیا ہے، اس پر لاہور میں کھلبلی مچ گئی، ادھر ادھر ہنگامہ بپا ہو گیا، اردو اخبار اس معرکہ میں کود پڑے، دارا شکوہ کا لکھا ہوا حرف آخر نہیں اور نہ تازہ واردان نقد ونظر ہی کے نوادر تحقیق قطعی ہیں، حضرت شیخ علی ہجویری کشف المحجوب کے مؤلف بالیقین اسی جگہ دفن ہیں جہاں صدیوں سے ان کا مزار مرجع خلائق ہے، سب سے بڑی دلیل تو مجاوروں کا وہ خاندان ہے جو نسلاً بعد نسل متولی چلا آ رہا ہے، پھر ان کے بزرگ شیخ ہندی کا مزار بھی اسی جگہ ہے، ان زندہ شہادتوں سے صرف نظر کر کے عقلی اور قیاسی شہادتوں کے ذخیرے ڈھونڈھنا نہ جانے کس تاریخی اصل کی شاخ ہے، اب اگر دارا شکوہ سے چوک ہو گئی ہے تو اس بحث سے کیا حاصل کہ راوی کہاں بہتا ہے اور کہاں نہیں بہتا تھا یا پھر خواجہ خضر کی کشتی خضری محلے والے کدھر چھوڑتے اور کب چھوڑتے تھے، اس قسم کے مباحث سے قلم دوات کی بیکار صحبتیں تو حاصل ہو سکتی ہیں مگر نتائج کی توقع ہی عبث ہے، سورج خود بولتا ہے کہ میں مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف لوٹ جاتا ہوں اور یہ میرا روزمرہ ہے۔'' (۱۲۹)

مزار پر انوار پر حاضری

حضرت سیدنا طاہر علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ جو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض کے امین تھے، نے فرمایا:

''جو لاہور آئے، حضرت داتا گنج بخش حاضری نہ دے، وہ ظالم ہے۔'' (۱۳۰)

اس آستانہ عالیہ پر مسلمان شروع سے لے کر آج تک حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں، جناب ریاض احمد خان غلزئی ایم اے، ایل ایل بی، رقمطراز ہیں:

''حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک صدیوں سے زیارت گاہ خلائق ہے، ان کی قبر کا ذکر فوائد الفواد میں بھی موجود ہے، جس میں تحریر ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سے کسی نے ۷۰۸ھ میں ذکر کیا کہ وہ لاہور میں حضرت داتا گنج بخش کی قبر مبارک کی زیارت کر کے آیا ہے۔'' (۱۳۱)

تعداد میں بہت کم سہی، لیکن ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو لاہور میں رہ کر حضرت داتا صاحب کے فیض سے محروم رہ جاتے ہیں، ان میں جماعت اسلامی کے مؤسس و سابق امیر مودودی صاحب بھی شامل تھے جو قیام پاکستان کے بعد لاہور آئے اور بقیہ پوری عمر یہاں گزار دی لیکن انہوں داتا دربار پر حاضری نہ دی ہفت روزہ چٹان لاہور میں جناب جاوید ہاشمی گلوری دروازہ گجرات کا ایک مراسلہ شائع ہوا تھا، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''کوثر نیازی نے اپنے مربی چودھری محمد سرور جوڑا کے حلقہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''بھٹو سندھ میں ہوتے تو شہباز قلندر کے مزار پر جاتے، پنجاب میں آتے تو داتا گنج بخش کی حاضری بھرتے ہیں لیکن مولانا مودودی ۲۴ سال سے لاہور میں رہے ہیں، انہیں کبھی داتا صاحب جانے کی توفیق نہیں ہوئی، اس سے فیصلہ کر لیجئے کہ مسلمان کون ہے؟ مودودی یا بھٹو؟''۔۔۔۔

بھٹو صاحب شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ پر جائیں یا علی ہجویری نور

اللہ مرقدہ کے آستانہ پر، اللہ والوں کا بیان ہے کہ دونوں بزرگ قائد عوام کی آمد کے وقت چلے جاتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ حاضر ہونے والا کیا ہے؟'' (۱۳۲)

مودودی صاحب کی مزار حضرت داتا صاحب پر حاضری نہ دینے کے متعلق جماعت اسلامی کے نمائندے جناب جاوید ہاشمی نے کچھ نہیں لکھا ہے، البتہ اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ حضور داتا صاحب قدس سرہ کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کون ان کے دربار پر حاضر ہوتا ہے اور وہ تصرف کر سکتے ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تشریف لے جائیں۔

محترم کوثر نیازی صاحب مرحوم جنہوں نے آخری عمر میں امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک بہترین مقالہ سپرد قلم کیا تھا جو کتابی شکل میں منظر عام پر آچکا ہے۔ (۱۳۳) ہی نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر تقریر کرتے ہوئے مودودی صاحب اور مفتی محمود کے متعلق کہا تھا کہ وہ اس درویش اور مرد حق کی بارگاہ میں حاضری سے محروم ہیں جنہیں اہل عشق ''داتا'' کے نام نامی سے یاد کرتے ہیں۔ (۱۳۴)

مفتی محمود صاحب نے جناب کوثر نیازی بلکہ سب مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار اقدس پر حاضری دینے کی سعادت حاصل کی، جس کی تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں، سردست حضرت مولانا ضیاء اللہ قادری (متوفی ۲۰۰۲) کی تحریر سے یہ اقتباس پیش خدمت ہے جس میں انہوں نے حضرت خواجہ غریب نواز اور مودودی صاحب کی سوچ کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے:۔

''اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ پاک و ہند میں اسلام اولیاء اللہ کی تبلیغی کوششوں اور ان کے قدوم میمنت لزوم سے پھیلا ہے، خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز، خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ جن کو مفکر اسلام کہا جائے تو درست، مبلغ اسلام کے لقب سے یاد کیا جائے تو بجا، ہادی گم گشتگان مانا جائے تو سچ ہے، وہ جنہوں نے نوے لاکھ کافروں کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا ہے، ان کا تو یہ عمل اور عقیدہ ہو کہ وہ اجمیر شریف سے چلیں، سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے لاہور آئیں تو صرف داتا گنج

بخش علی ہجویری کے مزار پر انوار پر حاضری دیں اور چالیس دن وہاں پر بیٹھ کر چلہ کریں اور نگاہ ولایت سے دیکھ کر یہ عرض کریں:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

مگر دوسری طرف نام نہاد مفکر اسلام، بانی جماعت اسلامی مولوی مودودی صاحب ہیں کہ لاہور شہر میں اچھرہ میں رہتے ہوئے کبھی داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار پر حاضری نہیں دی، ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ مودودی صاحب کا اسلام درست ہے یا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، ہر عقل سلیم والا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے اسلام کو ہی صحیح اسلام کہے گا مودودی صاحب کے اسلام کو خودساختہ اسلام کہے گا۔'' (۱۳۵)

مودودی صاحب کے برعکس ان کے دست راست اور جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے ۶ ردسمبر ۱۹۷۰ء کو سہ پہر داتا دربار پر حاضری دی، اس موقع پر دربار داتا صاحب کے اردگرد عوام کا ایک بہت بڑا ہجوم جمع ہوگیا۔

(کوہستان ۷ ردسمبر ۱۹۷۰ء)(۱۳۶)

میاں صاحب ہی کو ۱۹۸۷ء میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی نے مشورہ دیا تھا کہ:

''(میاں طفیل محمد جماعت اسلامی کی امارت سے) ریٹائر ہو رہے ہیں، میں نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دیں اور صدر مملکت (جنرل محمد ضیاء الحق) کی نو دس سال جو حمایت کی ہے، اس کی معافی مانگیں۔'' (۱۳۷)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی نے میاں طفیل محمد صاحب کی قیادت میں جنرل محمد ضیاء الحق کے مارشل لاء حکومت کی کھل کر حمایت کی تھی، میاں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

☆ جو لوگ صدر ضیاء الحق اور ان کے رفقاء کی مخالفت کر رہے ہیں وہ اصل

میں ان کی مخالفت نہیں کر رہے بلکہ اس ملک میں اسلام کا کام کرنے والوں کی مخالفت کر رہے ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ یہاں کوئی فلاحی کام کرے اور دیانتداری سے سیاست کرے۔(۱۳۸)

☆ ضیاء الحق مرحوم کے بارے میں میری ہمیشہ سے یہی رائے رہی ہے کہ وہ ایسے حکمران تھے کہ اس طرح کا انسان نہ شاید پاکستان کو پہلے ملا تھا اور نہ ہی مجھے دور دور تک کوئی نظر آتا ہے۔(۱۳۹)

دنیا جانتی ہے کہ مسلسل گیارہ سال تک نفاذ اسلام کی بات کرنے والے جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے عملاً کچھ نہیں کیا بلکہ ان کے دور میں کلاشنکوف کلچر اور ہیروئن کے کاروبار کو فروغ حاصل ہوا، اس لیے اگر میاں طفیل محمد صاحب، حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کا مشورہ مان کر حضرت داتا گنج بخش کے دربار پرانوار پر حاضر ہو جاتے اور رورو کر اللہ تعالیٰ سے اپنی اس فاش غلطی کی معافی مانگ لیتے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ انہیں نہ صرف معاف فرما دیتا بلکہ اس مقدس دربار کی حاضری کا عادی بنا کر بالآخر حق قبول کرنے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا لیکن افسوس کہ انہوں نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور آج بھی وہ اس دربار اقدس پر دوبارہ حاضری دینے سے ہچکچاتے بلکہ شرماتے ہیں۔

مفتی محمود صاحب کو علمائے دیوبند کا قائد ہونے کا شرف حاصل ہے، انہوں نے جرأت سے کام لے کر حضور داتا صاحب کی بارگاہ میں ایک نہیں دو بار حاضری دی، مولوی احمد علی لاہوری کے صاحبزادے مولوی عبید اللہ انور نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا اور اپنے والد کے کشف کہ حضرت داتا صاحب کا مزار یہاں نہیں بلکہ شاہی قلعہ لاہور میں ہے، کو نظر انداز کر کے مفتی صاحب کے ہمراہ بذات خود حاضر ہوئے۔

☆ لاہور، ۱۵راگست (۱۹۷۷ء) پاکستان قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود نے گزشتہ روز حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی، اس موقع پر مفتی محمود نے ملک کی سالمیت واستحکام کے لئے دعا مانگی، جب مولانا صاحب مزار پر آئے تو لوگوں نے بازار داتا صاحب میں ان پر گل پاشی کی اور ان کا پرجوش استقبال

کیا، مزار میں ان کی دستار بندی کی گئی، مولانا مفتی محمود نے بعد میں تبرک تقسیم کیا۔

(نوائے وقت ۱۶/اگست ۱۹۷۷ء)(۱۴۰)

☆ جب جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کی پھانسی کے فیصلہ کے بعد ۱۹۷۹ء میں متناسب نمائندگی پر انتخابات کا اعلان کیا تو حضرت (مولانا غلام علی) اوکاڑوی، حضور داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف والے حلقہ سے جمعیت (علمائے پاکستان) کے صوبائی امیدوار منتخب ہوئے، اس کی قومی سیٹ پر مشہور دیوبندی رہنما مولانا عبید اللہ انور امیدوار تھے، اس موقع پر حضرت اوکاڑوی، عبید اللہ انور اور مولانا مفتی محمود کو انتخابی مہم کے آغاز کے لئے دربار داتا پر لے گئے، اس موقع پر حضرت مولانا ابوالنور محمد بشیر نے یہ تاریخی شعر فرمایا تھا کہ:

محمود اور عبید ہیں حاضر مزار پر
داتا نے منکروں کو بھی در پر بلا لیا
(۱۴۱)

اس مزاحیہ شعر سے مولانا کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ حضرات یا ان کے مقلدین خدانخواستہ پھر کبھی دربار شریف پر تشریف نہ لائیں، یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایک گپ شپ تھی جس طرح بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، ملی یکجہتی کونسل کے اجلاس لاہور میں ''مولانا ضیاء القاسمی نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا نورانی میرے قائد اور مخدوم ہیں مگر وہ جلد اپنی جیب سے ہمیں حلوہ کھلائیں، جواب میں مولانا نورانی نے جھٹ فرمایا کہ ''داتا دربار پر''، اس پر قاسمی صاحب نے کہا کہ آپ کی عادت قبروں کی ہے، اس پر فوراً مولانا شاہ احمد نورانی نے فرمایا کہ ہم ہر شخص سے اس کی عادت کے مطابق ہی سلوک کرتے ہیں۔'' (۱۴۲)

اس کے برعکس اہلحدیث کے نقیب ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور کی اشاعت ۲۶/اگست ۱۹۷۷ء میں جو تبصرہ کیا گیا تھا وہ بہر حال منفی انداز کا تھا۔ ''الاعتصام'' نے لکھا تھا کہ:

''مولانا مفتی محمود اور مولانا عبید اللہ انور نے خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر

پر آستانہ بوسی کا ''شرف'' حاصل کیا ہے، حالانکہ بزرگان دین کی قبروں پر اس طرح کی حاضری ان کے مسلک وعقیدہ کی رو سے غلط ہے بلکہ مؤخر الذکر کے والد مولانا احمد علی صاحب تو حضرت علی ہجویری کی موجودہ قبر کو ہی مصنوعی بتاتے تھے اور اول الذکر نے قبر پر دستار بندی کا شغل فرمایا اور حلوہ تقسیم کیا جو چڑھاوہ ہونے کی وجہ سے ما أهل به لغیر اللّٰہ کے ضمن میں آتا ہے۔'' (۱۴۳)

جاہلوں کی بات ہم نہیں کرتے لیکن اکثر پڑھے لکھے علمائے دیوبند مزارات بزرگان دین پر حاضری دیتے ہیں جس کی ایک جھلک اسی مقالہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جہاں تک دستار بندی اور حلوہ تقسیم کرنے کے مسائل کا تعلق ہے تو ہمارے خیال میں مفتی محمود صاحب ان کی شرعی حیثیت سے بخوبی واقف تھے اور وہ اس سلسلہ میں اہلحدیث کے شاگرد بن کر کچھ سیکھنے کے محتاج نہیں تھے بلکہ اگر اس ضمن میں اہلحدیث انہیں اپنا استاد تسلیم کرلیں تو فائدہ میں رہیں گے۔

سابق صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق اگرچہ بقول ڈاکٹر اسرار احمد دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ وقتاً فوقتاً داتا دربار پر حاضری دیتے تھے:

☆ پاک فوج کے سربراہ اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے (۱۶ ستمبر ۱۹۷۸ء کو) جمعرات کی رات داتا دربار میں حاضری دی اور نوافل ادا کیے۔۔۔ جنرل ضیاء الحق جمعرات کو نصف شب کے قریب داتا دربار گئے اور وہاں نوافل ادا کررہے تھے کہ دربار کی مسجد میں موجود لوگوں نے انہیں پہچان لیا اور ان کے گرد اکٹھے ہوگئے، بعض لوگوں نے ''نظام مصطفیٰ'' (ﷺ) کے حق میں نعرے بھی بلند کیے، جنرل ضیاء الحق جو نوافل کے بعد ورد کررہے تھے، خاموش رہے اور خاموشی سے مزار حضرت داتا گنج بخش پر دعا کی اور واپس چلے گئے۔۔۔ کوئی ڈیڑھ بجے شب مزار شریف سے باہر نکلے اور کچھ دور کھڑی کار میں بیٹھ گئے، اسی اثناء میں ان کی اہلیہ اور دو بچے بھی مزار کے خواتین والے حصے سے باہر آکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ (۱۴۴)

☆ ۱۱ دسمبر (۱۹۸۴ء) کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے لاہور پہنچنے کے فوراً

بعد مزار حضرت داتا گنج بخش پر حاضری دی اور وہاں نماز عصر ادا کرنے کے بعد گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، صدر مملکت کی اس موقع پر محکمہ اوقاف کے حکام کی طرف سے دستار بندی بھی کی گئی اور مزار داتا گنج بخش کی سنہری چادر کا تبرک دیا گیا، صدر مزار داتا گنج بخش پر دعا مانگنے کے بعد اس چادر کو صوفیانہ انداز میں اپنے دونوں کندھوں پر ڈال کر باہر آئے، اس کے بعد جلسۂ عام میں دوران تقریر کہا کہ ''داتا کی نگری میں، میں سوالی بن کر آیا ہوں''۔(۱۴۵)

تمام سیاسی راہنما مزارات اولیاء خاص کر داتا دربار پر حاضری دیتے رہتے ہیں، ان میں سے اکثر اپنے ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر ایسا کرتے ہیں، وہ اپنے انتخابی مہم کا آغاز بھی یہاں سے کرتے ہیں، برسر اقتدار یا سابق وزرائے اعظم بھی اپنی پوزیشن کو مستحکم کرنے کے لئے اسی در کے سوالی بن کر آتے ہیں، حضور امام الاولیاء نور اللہ مرقدہ تو آنے سے کسی کو منع نہیں فرماتے لیکن اگر کوئی داتا صاحب کے مسلک کا پرچار کرنے والے کسی بزرگ کی توہین کرنے کا مرتکب ہو جائے تو اس گروہ کے لئے خود بخود حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے قائد سمیت در اقدس پر حاضری دینے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

☆ ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق نے مسٹر بھٹو کو معزول کر کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے اقتدار سنبھالا، اقتدار سے محرومی کے بعد بھٹو صاحب لاہور پہنچے تو پیپلز پارٹی نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا، وہ اس کے لیے بے حد نقصان دہ ثابت ہوا، جیالوں نے اہل سنت کے رہنما مولانا شاہ احمد نورانی کی کار پر حملہ کر دیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ مسٹر بھٹو کے حق میں نعرہ لگائیں وگرنہ۔۔۔مولانا نورانی کے ڈرائیور نے خطرہ مول لے کر تیزی سے گاڑی نکال لی ورنہ شاید صورت حال زیادہ سنگین ہو جاتی، اس کے بعد کیا ہوا، جناب ہارون الرشید کی زبانی سنیے:

''اعلان کیا گیا تھا کہ اگلے روز مسٹر بھٹو داتا دربار جائیں گے، شہر بھر میں غم و غصہ کی شدید لہر برپا تھی، پیپلز پارٹی نے پنجاب بھر سے اپنے ''ووٹر'' اکٹھے کر کے مسٹر

بھٹو کا استقبال کیا تھا، عوام اس پر شدید برہم تھے، خطرہ پیدا ہو گیا کہ مسٹر بھٹو داتا دربار جانے کے لیے گھر سے نکلے تو خون ریز تصادم ہوگا، اپنے خون کا حساب مانگتے لوگ ان کا راستہ روک لیں گے، ایک اطلاع کے مطابق داتا دربار کے اردگرد سینکڑوں لوگ ''پتھر بکف'' جمع تھے، مارشل لاء حکام نے صورت حال کو بگڑنے سے بچانے کے لیے مسٹر بھٹو کو داتا دربار جانے سے روک دیا اور مسٹر بھٹو صادق قریشی کے عظیم الشان محل میں دبک گئے، پیپلز پارٹی ان کی ''ناسازیٔ طبع'' کا اعلان کر رہی تھی''۔(۱۴۶)

حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار مزار اقدس پر حاضری دینے کے لئے آتے ہیں تو سیکیورٹی کے نام پر اٹھائے جانے والے بعض اقدامات کی وجہ سے زائرین کو مشکلات پیش آتی ہیں، اہل سنت ان اقدامات کی مذمت کرتے ہیں اور انتظامیہ کو شرعی حدود پامال کرنے سے اجتناب کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اور اپنوں کو بھی مشورہ دیتے ہیں کہ غیر شرعی امور کو دیکھ کر خاموش تماشائی کا کردار ادا نہ کریں، اس کے علاوہ ان لوگوں پر بھی گرفت کرتے ہیں جو اپنے خود ساختہ دلائل کی بناء پر زائرین کو مزار پر حاضر ہونے سے روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں:

☆ (اس وقت کے) وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف صاحب کی داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار شریف پر حاضری کی وجہ سے روزمرہ کے اکثر نمازی دو نمازیں باجماعت نہ ادا کر سکے کیونکہ سیکیورٹی کا انتظام نہایت سخت تھا اور لوگوں کو مسجد تک جانے سے روک دیا گیا تھا، جس ملک کے سربراہ کی حفاظت کی وجہ سے روزانہ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو روکا جائے کہ تم اب یاں نماز نہیں پڑھ سکتے، اس ملک کے اسلامی ہونے میں شک گزرنے لگتا ہے، ادھر وزیر اعظم صاحب ہیں کہ فرماتے ہیں، اسلامی نظام نافذ کر کے دم لوں گا اور محترم (مولانا عبدالستار خان) نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ وزیر اعظم صاحب اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہیں مگر اردگرد والے حضرات سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ نمازیوں کو نمازیں ادا کرنے سے روکتے ہو اور اسلامی نظام کے نعرے مار کر لوگوں کو مطمئن کرتے ہو، خدارا! دونوں میں سے ایک کام چھوڑ دو، وگرنہ بارہ سال تک اسلام کا نام استعمال کرنے اور اسلام کو تختۂ مشق

اسلامی نظام کے نعرے مار کر لوگوں کو مطمئن کرتے ہوئے خدارا ان دونوں میں سے ایک کام چھوڑ دو، وگرنہ بارہ سال تک اسلام کا نام استعمال کرنے اور اسلام کو تختۂ مشق بنانے والے کا انجام دیکھ لیں، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

(مدیر ماہنامہ القول السدید)(۱۴۷)

☆ مؤرخہ ۹/جنوری ۱۹۹۲ء کو وزیراعلیٰ بلوچستان کے مشیر برائے مذہبی امور کی مزار حضرت داتا گنج بخش پر حاضری اور چادر چڑھانے کی خبر معہ تصویر ۱۰/جنوری کے روزنامہ جنگ میں شائع ہوئی، فاتحہ خوانی اور چادر پوشی کے موقع پر سرکاری مہمان کے ساتھ علماء کرام، چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف اور دو نابالغ بچے بھی شریک تھے، عقیدت واحترام سے آزاد مولانا، نابالغ بچوں اور بعض اوقات خواتین کا حضرت داتا گنج بخش کے مزار مبارک گنبد کے اندر داخلہ تعظیم وتکریم اقر تقدس کے خلاف ہے۔

۱۹۶۰ء سے قبل کا ہر واقف حال شخص جانتا ہے کہ سید ہجویر داتا گنج بخش کی تربت شریف کے اردگرد کے خصوص حصے ہشت پہلو تخت (چبوترہ) پر چڑھنے، گنبد کے اندر داخل ہونے کے لئے ادب واحترام اور تقدس کا ایک معیار سختی سے قائم تھا جو صدیوں سے جاری تھا، محکمہ اوقاف کی تحویل کے بعد مزار شریف کا ادب واحترام اور تقدس آئے دن مختلف مواقع اور مختلف صورتوں میں جس طرح پائمال کیا جارہا ہے، سچے عقیدت مندوں کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، ہم ان آنسوؤں کی ترجمانی کرتے ہوئے جناب سید آل احمد چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب جو ایک صحیح العقیدہ سنّی مسلمان ہیں، کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ آئندہ مزارات اولیاء خصوصاً حضرت سید علی ہجویری کے مزار پر گنبد کے اندر صرف ایسے افراد کو داخلہ کی اجازت دی جائے جو مندرجہ ذیل معیار پر پورا اترتے ہوں:

۱۔ متقی وپرہیزگار، عاقل، بالغ اور باشرع مرد ہو۔

۲۔ صحیح العقیدہ اور صاحب مزار کا سچا عقیدت مند ہو۔

۳۔ مزارات اولیاء کرام کے ادب واحترام اور تقدس کو سچے دل سے مانتا اور جانتا ہو۔ (صاحبزادہ محمد سلیم حماد)(۱۴۸)

☆ وزیراعظم جناب محمد نواز شریف صاحب کی داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار شریف پر حاضری کی وجہ سے روزمرہ کے اکثر نمازی دو نمازیں باجماعت نہ ادا کر سکے کیونکہ سیکیورٹی کا انتظام نہایت سخت تھا اور لوگوں کو مسجد تک جانے سے روک دیا گیا تھا، جس ملک کے سربراہ کی حفاظت کی وجہ سے روزانہ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو روکا جائے کہ تم اب یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے، اس ملک کے اسلامی ہونے میں شک گزرنے لگتا ہے، ادھر وزیراعظم صاحب ہیں کہ فرماتے ہیں، اسلامی نظام نافذ کر کے دم لوں گا اور محترم نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ وزیراعظم صاحب اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہیں مگر اردگرد والے حضرات تنگ کر رہے ہیں ہم ان دونوں حضرات سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ نمازیوں کو نمازیں ادا کرنے سے روکتے ہو اور اسلامی نظام کے نعرے مار کر لوگوں کو مطمئن کرتے ہو، خدارا! دونوں میں سے ایک کام چھوڑ دو، وگرنہ گیارہ سال تک اسلام کا نام استعمال کرنے اور اسلام کو تختۂ مشق بنانے والے کا انجام دیکھ لیں، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ (۱۴۷)

☆ مؤرخہ ۹ر جنوری ۱۹۹۲ء کو وزیراعلیٰ بلوچستان کے مشیر برائے مذہبی امور کی مزار حضرت داتا گنج بخش پر حاضری اور چادر چڑھانے کی خبر معہ تصویر ۱۰ر جنوری کے روزنامہ جنگ میں شائع ہوئی، فاتحہ خوانی اور چادر پوشی کے موقع پر سرکاری مہمان کے ساتھ علماء کرام، چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف اور دو نابالغ بچے بھی شریک تھے، عقیدت و احترام سے آزاد مولانا، نابالغ بچوں اور بعض اوقات خواتین کا حضرت داتا گنج بخش کے مزار مبارک پر گنبد کے اندر داخلہ تعظیم و تکریم اور تقدس کے خلاف ہے۔

۱۹۶۰ء سے قبل کا ہر واقف حال شخص جانتا ہے کہ سید ہجویر داتا گنج بخش کی تربت شریف کے اردگرد کے مخصوص حصے ہشت پہلو تخت (چبوترہ) پر چڑھنے، گنبد کے اندر داخل ہونے کے لئے ادب و احترام اور تقدس کا ایک معیار سختی سے قائم تھا جو صدیوں سے جاری تھا، محکمہ اوقاف کی تحویل کے بعد مزار شریف کا ادب و احترام اور تقدس آئے دن مختلف مواقع اور مختلف صورتوں میں جس طرح پائمال کیا جا رہا ہے، سچے عقیدت مندوں کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، ہم ان آنسوؤں کی ترجمانی کرتے

ہوئے جناب سید آل احمد چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب جو ایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں، کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ آئندہ مزارات اولیاء خصوصاً حضرت سید علی ہجویری کے مزار پر گنبد کے اندر صرف ایسے افراد کو داخلہ کی اجازت دی جائے جو مندرجہ ذیل معیار پر پورا اترتے ہوں:

۱۔ متقی و پرہیزگار، عاقل، بالغ اور باشرع مرد ہو۔

۲۔ صحیح العقیدہ اور صاحب مزار کا سچا عقیدت مند ہو۔

۳۔ مزارات اولیاء کرام کے ادب و احترام اور تقدس کو سچے دل سے مانتا اور جانتا ہو۔ (۱۴۸)

☆ میرے خیال میں آج کل رجال الغیب کے سربراہ ''قطب المدار'' جناب علامہ مقصود احمد صاحب مدظلہ خطیب مسجد داتا گنج بخش معلوم ہوتے ہیں، خربوزے والے بابے سے بھی اگلی منزل پر دکھائی دیتے ہیں، وہ بابا جی تو خربوزے بیچتے تھے، گاہک کی طرف نظر رکھتے تھے، اپنی دکان کی خبر رکھتے تھے مگر حضرت علامہ مقصود صاحب تو نرے مجذوب بزرگ ہیں، انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ داتا صاحب کے دروازوں پر کیا گل کھلتے ہیں، سبزہ گاہ میں ملنگیوں (جہازوں) نے ڈیرے لگا رکھے ہیں، مجوب و غیر مجوب عشق پیچے لگاتے ہیں، جاہل صوفیوں نے مسجد کے وسیع صحن میں دکانداریاں لگا رکھی ہیں، فقیر اول تو مزار کے اندر جانے کی جسارت ہی نہیں کرتا، دور سے فاتحہ پڑھ کر واپس آجاتا ہے، وظائف کے بعد گھر پر فاتحہ پڑھ کر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا تصور کر لیتا ہے، ایک رات دل تڑپا، ایک دوست آ گئے، ان کی دعوت پر دربار میں حاضری دی، صوفی دکانداروں کو دیکھا، عجیب و غریب دکاندار تھے، مجاورین کے دور میں ایسے مناظر دیکھنے میں نہ آئے تھے، ایک صوفی کو دیکھا، وہ ایک صاحب کا دل جاری کر رہے تھے، بہت دلچسپ منظر تھا، ایک اور صوفی یا پیر مغاں ایک صاحب کے قلب کو حرکت میں لا کر جاری کرنے کی کوشش فرما رہے تھے، ایک اور صوفی کو دیکھا کہ ایک شخص کی دائیں طرف چھاتی کے نشان کے اوپر اپنی سبابہ رکھی ہوئی تھی اور زور زور سے چلا رہے تھے، اللہ اللہ، ان سے میرے ایک ساتھی نے کہا،

صوفی صاحب! دل دائیں طرف ہوتا ہے یا بائیں؟ کسی صاحب دل سے پوچھ لیا ہوتا کہ دل کہاں ہوتا ہے، انہوں نے بڑی تپتی ہوئی نظروں سے ہمیں گھورا، ہم ان کی نظروں کی تاب نہ لاکر آگے بڑھ گئے، یہ تھے قلب جاری کرنے والے اور دل زندہ کرنے والے ''پیر مغاں''۔

جاہل زائرین بیرونی دروازے کی سیڑھیوں پر ہی اپنا سر ٹیک دیتے ہیں، لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں، کیا حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تعلیم ہے؟ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نہیں، آپ کی تعلیم ''کشف المحجوب'' میں موجود ہے، اس کے سوالوں میں اور کئی سوالوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے، الحمدللہ! آپ کے اداریہ نے ہمیں ان سوالوں سے نجات بخش دی ہے۔ (۱۴۹)

اب ہم کہا کریں گے، بھئی! آج کل کے قطب مدار ہی ایسے ہیں جو کسی کو کچھ نہیں کہتے، اللہ کی محبت میں مست ہیں، آنکھیں موند رکھی ہیں، تو ہم غریب کیا کر سکتے ہیں، جب یہ آنکھیں کھولیں گے تو صرف دربار کی ہی نہیں بلکہ سارے لاہور کی حالت سدھر جائے گی۔ (۱۵۰)

☆ جناب شبیر احمد ہاشمی نے شکایت کی تھی کہ جنرل پرویز مشرف صاحب نے اقتدار پر براجمان ہونے کے کچھ دن بعد کراچی میں قائداعظم اور لاہور میں علامہ محمد اقبال کے مزارات پر حاضری دی، یہ بہت اچھی بات ہے مگر پاکستان میں ہماری خوش قسمتی سے حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر حاضری نہ دے کر ملک کی مجموعی آبادی کے لئے کیا پیغام دیا ہے، مجھے اس کا فلسفہ معلوم نہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ یہ داتا صاحب سے مکمل ناواقفیت ہونے کی دلیل ہے۔ (۱۵۱)

جنرل نے حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی تو اہل حدیث کے نقیب ہفت روزہ ''الاعتصام'' نے اس پر تبصرہ کیا جس سے اہل سنت کے جذبات کو ٹھیس پہنچی، مدیر ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' نے جواب کا حق استعمال کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''دیوبندی، وہابی مولوی و وہابی عوام شان رسالت و ولایت کی تحقیر و تنقیص

میں مسلسل مشغول رہتے ہیں اور محبوبان خدا حضرات انبیاء واولیاء کی گستاخی اوران کی تحقیر و تنقیص کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، جس کی تازہ مثال غیر مقلد وہابیوں کے ترجمان ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور ۱۳؍جولائی ۲۰۰۱ء کا وہ اداریہ ہے جس میں اس نے صدر مشرف کے حضور داتا گنج بخش فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری سے سیخ پا ہو کر بدیں الفاظ ایسی عظیم المرتبت، رفیع الدرجت، بین الاسلامی و بین الاقوامی شخصیت کی تحقیر و تنقیص کی ہے کہ:

''جنرل پرویز مشرف نے دورۂ بھارت کی ابتداء لاہور علی ہجویری کی قبر سے کی''۔ (ملخصاً)

ملاحظہ فرمائیے کہ ''الاعتصام'' نے اپنی شقاوت ازلی وخبث باطنی کے تحت حضور داتا صاحب علیہ الرحمۃ کا عامیانہ، طفلانہ انداز میں صرف نام لکھ کر کس قدر تحقیر و تنقیص کی کوشش اور بخل و کنجوسی کا مظاہرہ کیا ہے کہ عرف و ماحول کے مطابق کوئی اعزازی لفظ ولقب ساتھ نہیں لکھا، چلو!

''گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا'' جیسے الفاظ والقاب نہ سہی جن سے جانِ وہابیت پر مرگی اور مردنی چھا جاتی ہے، لیکن عرف و ماحول کے مطابق کوئی تو اعزازی لفظ ولقب ہونا چاہیے تھا، پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ''الاعتصام'' نے زیر نظر اداریہ میں چار مرتبہ آپ کا ذکر کیا ہے اور چاروں مرتبہ صرف علی ہجویری لکھا ہے، یہ صریحاً تقویت الایمانی عقیدہ باطلہ کی پیروی و گستاخی کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے جبکہ ''الاعتصام'' نے ایوان گنج بخش کے بالمقابل بہت کم ترین وہابی ملاؤں کو بڑے اہم اعزازی الفاظ والقاب سے ذکر کیا ہے، کسی کو شیخ الحدیث، مولانا حافظ، کسی کو سلطان المناظرین مولانا حافظ، کسی کو الشیخ حضرت مولانا حافظ، کسی کو عالم بے بدل فقیہ پنجاب حضرت حافظ اور کسی کو سید حامد لکھا ہے لیکن بدنصیبوں کو سید علی ہجویری لکھنا بھی گوارا نہیں ہوا، اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ:

نجدیا سخت ہی گندی ہے طبیعت تیری
کفر کیا شرک کا فضلہ ہے نجاست تیری

اور تو اور ''الاعتصام'' نے جو کلام اقبال شائع کیا ہے، اس پر بدیں الفاظ ان کا نام لکھا ہے، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ لیکن یہاں آ کر ایسی بریک لگی ہے کہ علی ہجویری کے سوا کوئی اعزازی لقب ولفظ ہی میسر نہیں آیا، اس لئے بفرمان قرآن اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ:

﴿ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴾(البقرة: ۱۰)(۱۵۲)

پاکستانی کرکٹ ٹیم نے ورلڈ کپ جیتنے کے بعد حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزار شریف پر حاضری دی اور ایصال ثواب کیا تو ایک ''خاموش'' نجدی کے منہ میں بھی زبان آ گئی اور دھڑک سے شرک کا فتویٰ اگل دیا، حالانکہ اس جاہل کو شرک کا مطلب بھی نہیں آتا، صرف کسی روپڑی یا سلفی کی تقلید میں غیر مقلد کہلانے والے کا یہ کام انتہائی افسوس ناک ہے، ابھی اس گنجے کو اللہ تعالیٰ نے ناخن نہیں دیئے، اگر خدا نخواستہ ناخن مل گئے تو پھر یہ بھی قاضی حسین احمد آف ''جماعت اسلامی'' کی طرح مسلمانوں کو جی بھر کر لڑائے گا، ہم حکومت پاکستان اور خاص طور پر عوام کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ ایسے شر پسندوں سے محتاط رہیں، اپنے جان و مال کے علاوہ اپنے ایمان کی بھی حفاظت کریں اور ان لوگوں کے کہنے میں آ کر ایمان جیسی عظیم دولت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں کیونکہ ان لوگوں نے تو دوزخ میں بطور سکریپ اور ایندھن استعمال ہونا ہی ہے، اب یہ شیطان کی طرح مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں، ان لوگوں کی زبانیں اب اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اگر حکومت نے کنٹرول نہ کیا تو مسلمان خود ان (زبانوں) کو لگام دینے کے متعلق سوچیں گے، حکومت کی انتہائی مصلحتانہ پالیسی نے ان لوگوں کو اتنی جرأت دے دی ہے کہ اب یہ لعنتی ذکر مصطفیٰ ﷺ کو پیشاب سے تشبیہ دینا(۱۵۳) شروع ہو گئے ہیں۔(۱۵۴)

حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر ہر قسم کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، ان میں کم علم بھی ہوتے ہیں اور ذمہ دار عہدوں پر فائز اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی، ان کے طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، جاہل لوگ بعض غیر شرعی

امور کے مرتکب ہو جاتے ہیں جبکہ پڑھے لکھے لوگ شرعی احکامات کے مطابق حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ناواقف مسلمانوں کو زیارت کے اسلامی احکامات سے آگاہ کیا جائے، ان دونوں قسم کے افراد کی ایک ایک مثال پیش خدمت ہے:

☆ پچھلے دنوں ایک غیر مقلد (وہابی) راقم الحروف سے کہنے لگے کہ آپ لوگ سید علی ہجویری کی قبر پر جا کر سجدہ کرتے ہیں، میں نے عرض کیا، جناب اگرچہ سجدے کی بحث ایک علیحدہ موضوع ہے مگر یہ بتائیں کہ آپ لوگ مردہ احسان الٰہی ظہیر کی یاد میں ٹورنامنٹ کیوں کراتے ہیں، وہ فوراً فرمانے لگے کہ وہ تو چند شریعت سے ناواقف لونڈے ہیں جو یہ کام کرتے ہیں، کبھی کسی عالم فاضل کو بھی دیکھا کہ ایسی حرکتیں کرے، میں نے عرض کیا، جناب یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ عالم فاضل بھی بڑے بڑے چٹ پٹے کارنامے سرانجام دیتے ہیں مگر مجھے آپ داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر کسی عالم کو سجدہ کرتے تو کیا، جھکا ہوا ہی دکھا دیں، اس پر وہ صاحب فرمانے لگے، چھوڑیں جناب! ہم کس بحث میں پڑ گئے ہیں، آپ سے اس موضوع پر دوبارہ کبھی گفتگو ہوگی۔ (۱۵۵)

☆ صدر مملکت جناب رفیق احمد تارڑ نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ سردار محمد اقبال اس وقت لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے، انہوں نے جسٹس محمد صدیق اور مجھ پر مشتمل فوجداری مقدمات کا بنچ تشکیل دیا، یہ بنچ تقریباً ساڑھے تین سال تک فوجداری مقدمات کی سماعت کرتا رہا، اس دوران جب بھی ہم فارغ ہوئے تو فراغت کے دوران چودھری محمد صدیق مرحوم باوا جی سرکار صوفی برکت علی لدھیانوی کی باتیں شروع کر دیتے اور مجھے بھی ان کی خدمت میں حاضری کی ترغیب دیا کرتے تھے۔۔۔۔ چودھری صاحب کے معمولات یہ تھے کہ وہ تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد ناشتہ کرتے، ناشتہ کر کے فجر کی نماز وہ داتا صاحب کی مسجد میں ادا کیا کرتے تھے اور پھر وہاں سے ہائی کورٹ میں اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے آجایا کرتے، صبح جب وہ داتا صاحب سے ہائی کورٹ آتے تو تازہ پھول اور ہار ہم دوستوں کے لئے

لایا کرتے اور ہمیں بھجوا دیا کرتے تھے، دوپہر تک مسلسل کام کر کے دوپہر کو وہ تھوڑی دیر کے لئے آرام کرتے، دو بجے تک عدالت کا کام نمٹانے کے بعد وہ مغرب کی نماز کی ادائیگی کے لئے پھر داتا صاحب کی مسجد میں پہنچ جایا کرتے تھے، عشاء کی نماز ادا کر کے وہ گھر آیا کرتے، میرے لئے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ نماز، روزہ اور باوا جی سرکار کے ہاں حاضری کی مصروفیات کے باوجود ان کی کارکردگی تمام جج کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے بہتر ہوتی تھی۔ (۱۵۶)

اہل سنت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو شخص حضور داتا گنج بخش قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے کتراتا ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے، نیز جو لوگ اپنے بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں، ان کا یہ اخلاقی فرض بنتا ہے کہ حضور داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے دربار پر بھی حاضر ہوں:

☆ ہر وہ شخص جو قائداعظم مرحوم کے مقبرے پر حاضری نہ دیتا ہو، جو ہمارے عظیم سیاسی قائد تھے، جسے قائداعظم کے مقبرے پر فاتحہ خوانی کرنے کی توفیق نہ ہوتی ہو، عظیم روحانی پیشوا حضرت داتا صاحب کے مزار پر حاضری نہ دیتا ہو تو میں سمجھتا ہوں، کسی مسلمان کا بھی ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہے گا۔ (۱۵۷)

☆ قومی پریس میں یہ خبر پڑھ کر حیرت ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الجامعہ قاری محمد طیب صاحب، مولوی غلام اللہ کی دعوت پر ۱۱ر جولائی (۱۹۷۸ء کو) صبح راولپنڈی گئے، جہاں سے وہ بالاکوٹ جا کر مولوی اسماعیل دہلوی کے مزار پر فاتحہ خوانی کریں گے، قاری صاحب کی مزار پر حاضری سے اگرچہ مولوی اسماعیل کی روح کو خوشی نہ ہوگی، اس لئے کہ انہوں نے خود اپنی کتاب تقویت الایمان کے صفحہ ۲۹ اور ۳۳ میں کسی سچی وجھوٹی قبر کی طرف دور سے قصد کرنے اور حاضری کو شرک قرار دیا، تاہم قاری صاحب کا ارادۂ زیارت صحیح سمت میں ایک قدم اور عامۃ المسلمین کی ترجمانی قرار دیا جا سکتا ہے، ہر چند کہ دیوبند مکتبہ فکر کے ایک فاضل مصنف کی کتاب کے حوالے کے مطابق بالاکوٹ میں مولوی اسماعیل کا مقبرہ موجود نہیں ہے۔

دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب بالاکوٹ سے واپس آکر لاہور مزار داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ اور کراچی میں مزار قائداعظم پر بھی حاضری دیتے تو حقیقت میں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہوتی کیونکہ پاکستان میں حالیہ ایشیائی اسلامی کانفرنس کو قائداعظم کی عملی جدوجہد اور حضرت داتا گنج بخش کے روحانی فیوضات کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔(۱۵۸)

☆ سرراہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے سیکرٹری جنرل اور خارجہ امور کمیٹی کے چیئرمین مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ قائداعظم پیر نہیں، سیاست دان تھے لہذا ان کے مزار پر جانا ضروری نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ میں تو کبھی اپنے باپ کی قبر پر جانے کی پابندی بھی نہیں کرتا، قائداعظم کی قبر تو بعد میں آتی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن مذہبی طور پر قبروں پر جانے کے خلاف ہیں، اس لئے وہ پیروں فقیروں کی قبروں پر بھی نہیں جاتے، مولانا فضل الرحمٰن اگر قائداعظم کی قبر پر اس لئے نہیں جاتے کہ وہ پیر نہیں بلکہ سیاست دان تھے تو کیا وہ داتا صاحب کی قبر پر گئے ہیں؟ ہم ان سے یہ شکایت نہیں کرتے کہ وہ قائداعظم کے مزار پر کیوں نہیں گئے کیونکہ وہ تو کبھی اپنے باپ کی قبر پر بھی نہیں گئے، مولانا فضل الرحمٰن اس فتوے پر عمل کرتے ہیں کہ ''گربۂ زندہ بہ از شیر مردہ'' یعنی مردہ شیر سے زندہ بلی بہتر ہے، لہذا وہ قائداعظم کے مزار پر تو نہیں جاتے، البتہ بے نظیر کے دربار میں حاضر ہو جاتے ہیں، کیونکہ قائد اعظم اب انہیں کچھ دے نہیں سکتے جبکہ بے نظیر نے انہیں ''میرٹ'' پر فارن افیئرز کمیٹی کی چیئرمین شپ دے رکھی ہے۔(۱۵۹)

رضائے مصطفیٰ: بقول ''نوائے وقت'' مولوی فضل الرحمٰن تو داتا صاحب کے مزار پر حاضر نہیں ہوئے لیکن ان کے اباجی مزار شریف پر حاضر بھی ہوئے، حلوہ بھی تقسیم کیا اور جلوس میلاد النبی ﷺ میں بھی شرکت کی۔(۱۶۰)۔ ہے کوئی جو تردید کر سکے۔(۱۶۱)

محمد نواز شریف صاحب نے اپنے دور حکومت میں مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے ہمراہ مفتی محمود صاحب کے مزار پر حاضری دی تھی، یہ دسمبر ۱۹۹۱ء کی بات

ہے، اس وقت کراچی سے سید عظیم اللہ صاحب نے ایک مراسلہ میں لکھا تھا کہ:

''مولانا فضل الرحمٰن کو وزیر اعظم نواز شریف کے ہمراہ مرحوم مفتی محمود کی قبر پر فاتحہ پڑھتے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انہوں نے اپنے مسلک میں وسعت پیدا کر لی ہے ورنہ اس سے قبل وہ کسی بھی قبر پر فاتحہ پڑھنا گناہ سمجھتے تھے، اب جبکہ مولانا نے اپنے باپ کی قبر پر فاتحہ پڑھ لی ہے تو اب وہ قوم کے باپ کا گناہ بھی معاف کر دیں (۱۶۲) اور کسی روز کراچی تشریف لائیں تو قائد اعظم کے مزار پر فاتحہ پڑھ لیں''۔ (۱۶۳)

ہماری مخلصانہ گزارش یہی ہے کہ اب چونکہ علماء کی اکثریت نے سیاسی اتحاد کیا ہوا ہے، اور انہیں انتخابات میں توقع سے بڑھ کر کامیابی بھی حاصل ہو گئی، اس لئے یہ سب علماء مل کر علامہ اقبال، قائد اعظم، حضور داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ اور دیگر معروف بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہو جائیں اور وہاں اپنے اپنے عقیدے کے مطابق دل میں دعا مانگ لیں، اس طرح یہ سب حضرات ایک سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کر لیں گے اور جو لوگ بعد وفات فیض حاصل کرنے کے قائل نہیں ہیں، وہ دل میں اپنی سوچ کے مطابق دعا مانگ کر مطمئن رہیں گے، البتہ ان میں سے اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرنے پر آمادہ ہو تو اس کے لئے حضرت داتا صاحب قدس سرہ کا دربار ہی سب سے بہتر جگہ ثابت ہو سکتا ہے۔

علمائے دیوبند میں مولوی اشرف علی تھانوی کی حضور داتا رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری کو بیحد اہمیت حاصل ہے کیونکہ مولوی صاحب اپنے مکتب فکر میں حکیم الامت جیسے معزز لقب سے جانے جاتے ہیں اور ان کی حاضری تمام دیوبندی حضرات کے لئے لائق تقلید ہے، مولوی صاحب کے معتقدین بھی اسے بڑی اہمیت دیتے ہیں اور انہوں نے اپنی تحریروں میں اس غیر معمولی واقعہ کو نمایاں طور پر جگہ دی ہے:

''حضرت تھانوی رحمہ اللہ وفات سے تقریباً دو سال قبل دانت درست کرانے کے لئے لاہور تشریف لے گئے تو واپسی سے ایک دن قبل لاہور کے قبرستانوں کی زیارت کے لئے بھی نکلے، سلاطین کی قبروں پر بھی گئے اور مساکین کی

قبریں بھی دیکھیں، فاتحہ پڑھی، ایصال ثواب کیا، اس سلسلہ میں حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچ کر دیر تک مراقب رہے۔

وصل صاحب مرحوم بلگرامی ساتھ تھے اور انہوں نے ہی یہ واقعہ مجھ سے تھانہ بھون میں بیان فرمایا تھا کہ داتا گنج بخش کے مزار سے لوٹتے ہوئے فرمایا کہ کوئی بہت بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں، میں نے ہزار ہا ملائکہ کو ان کے سامنے صف بستہ دیکھا اور یہ بھی فرمایا کہ سلاطین کے مزاروں پر پہنچا تو انہیں مساکین کی صورت میں دیکھا کہ جیسے کوئی پرسان حال نہ ہو اور مساکین کو سلاطین کی صورت میں پایا۔" (۱۶۴)

مولوی اشرف علی تھانوی کے معتقدین بھی اگرچہ بنیادی طور پر دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ جس طرح اپنے بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں، اسی طرح اصل بزرگان دین کے آستانوں سے بھی فیوض و برکات حاصل کرنے کے مدعی ہیں، یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انہیں فیض ملتا ہے البتہ ان کا یہ طرز عمل بہر حال قابل تحسین اور ان کے ہم مسلک حضرات کے لئے قابل تقلید ہے، اس سلسلہ میں جامعہ اشرفیہ کے مفتی عبد الرحمٰن صاحب کے بیانات و افعال کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

☆ موہری شریف (نامہ نگار) دیوبندی اور بریلوی اختلافات حقیقی معنوں میں کوئی اختلافات ہی نہیں ہیں، انہیں خواہ مخواہ طول دیا جاتا رہا ہے، دونوں حنفی ہیں، یہ الفاظ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم اعلیٰ اور ممتاز عالم دین، استاذ العلماء، شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن نے گزشتہ روز دربار عالیہ نقشبندیہ مجددیہ موہری شریف میں سالانہ جشن عید میلاد کے مرکزی اجتماع سے خطاب میں کہے۔ (۱۶۵)، تقریب کی صدارت عظیم عالمی مبلغ صاحبزادہ محمد حفیظ الرحمٰن معصومی نے کی۔

مولانا عبد الرحمٰن نے کہا کہ اولیاء کاملین، نبی آخر الزمان ﷺ کے صحیح وارث ہیں، ان کے آستانوں پر حاضری دینے، حضور فیض گنجور سرکار مدینہ کا ہی فیض ملتا ہے۔

۔۔۔انہوں نے کہا کہ مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی جب لاہور آتے تو کافی دیر جناب داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضر رہتے اور

مراقبہ کرتے دعائیں کرتے، جاتی دفعہ یہ بھی عرض کرتے کہ داتا حضور ہمیں نہ بھلایا کریں، اس وقت وہ آبدیدہ بھی ہوتے، کچھ ایسے ہی معمولات جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تھے۔(۱۶۶)

میں مہینے میں ایک مرتبہ حضرت داتا علی ہجویری نور اللہ مرقدہ کے دربار پر حاضری ضرور دیتا ہوں، پچھلے جمعہ کو بھی گیا تھا اور اگر میں دیر لگاتا ہوں تو حضرت خود مجھے بلاتے ہیں، خواب میں آتے ہیں کہ تم آئے کیوں نہیں؟ تم نے دیر کیوں لگائی ہے؟ حضرت کو میرے ساتھ اتنا پیار ہے، اس لئے میں مہینے میں ایک مرتبہ لازمی دربار شریف پر جاتا ہوں، جامعہ اشرفیہ میں ہمارے نئے شیخ الحدیث آئے ہیں، مولانا حمید اللہ جان، میں نے کہا کہ حضرت میں شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جایا کرتا ہوں، شیخ الحدیث کہنے لگے، مولانا! میں بھی ضرور جانا چاہتا ہوں۔ میں ابھی لاہور آیا ہوں تو میں ان کو بھی ساتھ لے کر گیا، تین چار، پانچ حضرات اور بھی ہمارے ساتھ تھے، وفد بن کر وہاں حاضری دی، سلام پیش کیا۔(۱۶۷)

☆ پنجاب کے نگران وزیر اعلیٰ نے عرق گلاب سے سید علی ہجویری کی قبر کو غسل دیا، مشہور دیوبندی درس گاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم صاحبزادہ عبدالرحمٰن وزیر اعلیٰ کے ساتھ کھڑے ہیں اور اس عرق گلاب سے جو سید علی ہجویری کی قبر کی بالائی منزل سے مس ہو کر نیچے گر رہا تھا، مولانا عبدالرحمٰن مہتمم جامعہ اشرفیہ اس کو اپنے چلو میں لے کر اپنی داڑھی پر مل رہے تھے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ سید علی ہجویری کی قبر نیچے تھی اور یہ اوپر کا خول تھا۔(۱۶۸)

اہلحدیث کے آرگن ہفت روزہ ''الاعتصام'' نے مذکورہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حیرت تو اس امر پر ہے کہ اگر یہی کام بریلوی علماء کریں تو ان کی بارگاہ سے ان کے خلاف بدعتی اور مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کیا جاتا ہے اور جب خود ایسی حرکات کا ارتکاب کریں تو پھر۔۔۔۔:

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

علمائے دیوبند کی خدمت میں ادب و احترام سے گزارش ہے کہ اکابر علمائے دیوبند کی تابندہ روایات اور تابناک ماضی میں قول و عمل کا یہ تضاد ہرگز ہرگز نہیں تھا لیکن اب صورت حالات رفتہ رفتہ کیوں تغیر پذیر ہوگئی ہے؟ آپ سے تو سید مردان علی شاہ پیر پگاڑہ ہی بہتر نکلے، جنہوں نے لگی پٹی رکھے بغیر صاف کہہ دیا، چونکہ میرے مسلک میں نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں لہذا اس میں شامل نہیں ہوں گا۔" (۱۶۹)

مضمون نگار نے اہل سنت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سو فیصد درست ہے کیونکہ وہ شرعی دلائل کی رو سے جس امر کو جائز سمجھتے ہیں، وہ کسی خوف یا لالچ کی وجہ سے ترک نہیں کرتے، اسی طرح جو چیز ان کے نزدیک اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہو، اس کا بھی برملا اظہار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، اس سلسلہ میں وہ اسلام کے بعض نادان دوستوں کے بدعت و شرک کے فتوؤں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، تاہم مضمون نگار سمیت بعض مخالفین اہل سنت کی عادت اس سے مختلف ہے مثلاً وہ کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھنے کو اسلام سے رخصتی مصافحہ کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں لیکن اگر حکومت نے حکم جاری کر دیا کہ کھڑے ہوکر قومی ترانہ گائیں تو وہ اگلی صف میں کھڑے نظر آئیں گے، اس کے باوجود مضمون نگار کا مفتی عبدالرحمٰن صاحب کو ہدف تنقید بنانا محل نظر ہے۔ کیونکہ مفتی صاحب کسی کے دباؤ یا لالچ میں آ کر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار اقدس پر حاضر نہیں ہوتے اور نہ اس وجہ سے بعض رسوم میں شرکت کو باعث برکت سمجھتے ہیں، بلکہ اسے وہ اپنی تحقیق کی بنا پر بالکل جائز اور کار ثواب سمجھتے ہیں، اس لئے وہ اپنے بعض گمراہ ہم مسلک حضرات کے کسی ناجائز فعل اور غلط سوچ کے ذمہ دار نہیں۔

غسل کی مذکورہ تقریب کے متعلق مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مولانا محمد صدیق ہزاروی رقمطراز ہیں:

"ماہنامہ اشراق لاہور کے شمارہ جون ۲۰۰۰ء میں "شذرات" کے عنوان سے ایک مضمون چھپا ہے جو محمد بلال نامی شخص کا شاہکار قلم ہے۔۔۔۔ مضمون نگار نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کو غسل دینے کی تقریب کے حوالے

سے غریب طبقہ کو علم بغاوت بلند کرنے کا جو لیکچر دیا ہے، اس پر تبصرہ ضروری ہے:

موصوف نے گورنر پنجاب، صوبائی وزیر قانون اور دیگر لوگوں کے کاندھوں پر چادریں دیکھیں تو ان کو پھٹے پرانے کپڑوں والے بچے یاد آ گئے اور انہوں نے پچاس من عرق گلاب سے مزار پرانوار کو غسل دیتے ہوئے دیکھا تو انہیں ان لوگوں کی یاد نے ستانا شروع کر دیا جو پانی کی ایک ایک بوند کو ترس رہے ہیں۔

مضمون نگار کا یہ جذبہ ہمدردی یقیناً قابل تحسین ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو مزارات پر چادریں نہیں چڑھاتے، وہ کتنے ننگے جسموں کو ڈھانپنے کے لئے کپڑا دیتے ہیں؟ اور کیا موصوف یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مزارات پر چادر چڑھانے والے لوگ غرباء و مساکین کو کپڑے نہیں دیتے تو معلوم ہوا کہ یہ ''کلمة حق أريد بها الباطل '' (کلمہ حق مراد باطل) والا معاملہ ہے، اصل مقصد غرباء کی پریشان حالی کا احساس نہیں، اولیاء کرام اور ان کی تعظیم و تکریم سے چڑ ہے۔

لگے ہاتھوں موصوف یہ بھی بتا دیں کہ ننگے جسم پھرنے والے بچوں کو دیکھ کر مزارات اولیاء پر چڑھائی جانے والی چادریں کھٹکتی ہیں تو ماہ اگست میں پرچموں اور بینروں پر خرچ ہونے والا کپڑا کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے؟ اسی طرح اگر موصوف یہ بات ثابت کر دیں تو ہم ان کے ہمنوا ہو جائیں گے کہ جو لوگ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار کو عرق گلاب سے غسل دینے کو اچھا نہیں سمجھتے، انہوں نے کتنے غریبوں کے گھروں میں نلکے لگوائے ہیں؟ مزارات پر چادریں اسراف ہیں اور غریبوں کے کام آنی چاہئیں تو خانہ کعبہ کے غلاف کے حوالے سے موصوف کیا ارشاد فرمائیں گے جس پر اتنی خطیر رقم خرچ ہوتی ہے، مینار پاکستان اور اس طرح کی دیگر یادگاروں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جن پر ملک و ملت کا بے تحاشہ سرمایہ خرچ ہوا ہے، ایٹمی دھماکوں کے حوالے سے بڑے بڑے شہروں میں چاغی پہاڑ بنائے گئے جن پر یقیناً کروڑوں روپے خرچ ہوئے ہوں گے، کیا یہ غریبوں کی غربت کو مٹانے میں رکاوٹ نہیں؟ اگر یہ سب کچھ ہے تو پھر صرف بزرگان دین کے مزارات پر ہی طعن و تشنیع کیوں ہے؟ معلوم ہوا کہ ''دال میں کچھ کالا ہے''۔ (۱۷۰)

مولوی اشرف علی تھانوی اوران کے معتقد علماء کی ان سرگرمیوں اور بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور داتا گنج بخش نوراللہ مرقدہ کا مزار شاہی قلعہ لاہور میں نہیں بلکہ حضرت صاحب موجودہ جگہ ہی مدفون ہیں اور یہ بھی حضرت داتا صاحب قدس سرہ کا تصرف ہے کہ قلعہ میں دفن ہونے کا پروپیگنڈہ کرنے والا شخص خود یہاں ہی حاضری دیا کرتا تھا، مولوی احمد علی لاہوری کا اپنا بیان ہے:

''میں ان کو بہت بڑے اولیاء کرام میں سے سمجھتا ہوں اور کبھی کبھی فاتحہ خوانی کے لئے ان کے مزار پر بھی جاتا ہوں۔'' (۱۷۱)

مولوی صاحب داتا دربار میں مدفون دیگر بزرگان دین کے مزارات پر بھی فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حافظ ریاض احمد اشرفی کا چشم دید بیان ہے:

''جب غازی کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ خطیب مسجد وزیر خان لاہور کا انتقال ہوا تو نہ صرف یہ کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے حضرت نے قل ھو اللہ تین مرتبہ اور سورہ فاتحہ پڑھ کر دعائے مغفرت مانگی بلکہ ان کی قبر پر داتا دربار تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادہ سید محمد خلیل صاحب قادری اوران کے برادر خورد حضرت سیدی مولانا سید احمد صاحب سے تعزیت کرنے باغبانپورہ گئے، حضرت علامہ ابوالحسنات کے مزار پر میں نے خود دیکھا تھا۔'' (۱۷۲)

اہل سنت پر پیر پرستی اور قبر پرستی کا الزام لگانے والوں کا تعاقب کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد بشیر کوٹلوی رقمطراز ہیں:

''اگر کوئی شخص ہمیں پیر پرست یا قبر پرست کہنے لگے تو یہ اس کی بہت بڑی زیادتی ہے، دیکھئے رات کو گیس پر پروانہ آگر گرتا ہے، اس کے گرد گھومتا ہے، اس کی بلائیں لیتا ہے تو انصاف سے کہئے کہ کیا وہ پروانہ گیس پرست ہے؟ اگر آپ کہیں گے کہ ہاں وہ گیس پرست ہے تو ہم کہیں گے کہ دن کے وقت بھی تو وہی گیس ہوتا ہے، پھر وہ دن کے وقت اس گیس کے پاس کیوں نہیں آتا؟ کیوں صاحب، بتائیے کہ یہ کیا بات ہے؟ یہی ہے نا کہ وہ پروانہ دراصل گیس کا عاشق نہیں بلکہ وہ اس نور کا عاشق ہے

جو گیس کے اندر اسے نظر آتا ہے، چونکہ وہ نور اس گیس میں رات کو تو ہوتا ہے دن کو نہیں ہوتا، اس لیے پروانہ رات کو تو گیس کے چکر کاٹنے لگتا ہے اور دن کو وہ نور نہ پا کر اس کے پاس نہیں آتا، تو بھائیو! ہم بھی کسی پیر کے دیوانے کب ہیں؟ ہم تو اس نور کے عاشق ہیں جو کسی مرد حق کے دل میں نظر آتا ہے، اگر پیر ہی کے دیوانے ہوتے تو کئی ایسے لوگ بھی تو ہیں جو پیر کہلاتے ہیں مگر ہم ان کے نزدیک جانا بھی گناہ سمجھتے ہیں، ہم کسی قبر کے عاشق کب ہیں؟ ہم تو اسی نور کے عاشق ہیں جس کا کسی اللہ کے مقبول کی قبر سے جلوہ نظر آتا ہے۔

لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ بھی ہے اور حضرت داتا صاحب کا مزار شریف بھی مگر دیکھیے، جہانگیر کے مقبرہ پر کوئی نہیں جاتا، جو جاتا بھی ہے تو محض سیر و تفریح کے لئے اور عمارت دیکھنے کے شوق میں جاتا ہے مگر حضرت داتا صاحب کے مزار پر انوار پر ہر روز عشاق کا ہجوم لگا رہتا ہے، تو ہم اگر قبر پرست ہوتے تو جہانگیر کے مقبرہ پر جو بظاہر دیدہ زیب بھی ہے، پہلے جاتے مگر نہیں، عشاق کے لئے تو کشش داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار شریف میں ہے اور وہ کشاں کشاں وہیں پہنچتے ہیں، معلوم ہوا کہ ہم نہ پیر پرست ہیں اور نہ قبر پرست بلکہ اسی نور حق کے ہم شیدائی ہیں جس کا جلوہ مقبولانِ حق کے قلوب اور ان کی قبور سے نظر آتا ہے۔(۱۷۳)

دراصل جو بھی کسی بزرگ کے مزار پر جاتا ہے، اسے وہاں سے فائدہ حاصل ہوتا ورنہ آج کے مصروف دور میں لوگوں کے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے کہ وہ مزاروں پر بے مقصد پھرتا رہے، پیپلز پارٹی کے راہنما فیصل صالح حیات کی اہلیہ بیگم شاہدہ فیصل حیات نے روزنامہ ''دن'' کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں بچوں کی ڈاکٹر ہوں لیکن مجھے بھی داتا دربار جا کر روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔(۱۷۴)

بعض لوگ تو ملازمت چھوڑ کر حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر خدمات سرانجام دیتے ہیں، مثلاً:

''حضرت شیخ فضل نور نوری قادری نوشاہی ملازمت چھوڑ کر دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش لاہور میں حاضر ہوئے اور میاں غلام حسین سجادہ نشین داتا دربار

کی وساطت سے سید جلال شاہ سے بیعت کی، پھر بحکم مرشد موذن مسجد داتا دربار رہے اور کلید بردار کے فرائض بھی سرانجام دینے لگے، پچاس ساٹھ سال تک یہ خدمت سر انجام دیتے رہے۔ (۱۷۵)

کئی خوش نصیب حضرات کو مزار اقدس پر چلہ کاٹنے کا موقع میسر ہو جاتا ہے جس کی بدولت وہ بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں:

☆ شیخ محمد اسماعیل لاہور المشہور میاں وڈا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مخدوم عبدالکریم صاحب علیہ الرحمۃ سے ارشاد باطنی ہوا کہ لاہور چلے جاؤ، آپ نے تنتالیس برس کی عمر میں یہاں پہنچ کر بمقام تیل پورہ آکر ایک غیر آباد مسجد میں قیام کیا، اب وہیں آپ کی قبر ہے، چندے بعد حضرت کا دل اداس ہوا اور آپ نے ارادہ کیا کہ یہاں سے چلے جائیں، اس وقت ایک سید بزرگ محمود صاحب اس محلّہ میں سکونت پذیر تھے، انہوں نے آپ کا ارادہ دریافت کر کے فرمایا کہ آپ کو لازم ہے کہ آپ ایک چلہ یعنی چالیس روز حضرت پیر علی گنج بخش ہجویری کے مزار پر انوار پر معتکف رہیں، اس سے آپ کو تسکین کلی عطا ہو گی، آپ نے ویسا ہی کیا، پھر تو صفائی کلی حاصل ہو گئی اور چند روز میں طالب علموں کا مجمع کثیر آپ کی خدمت میں جمع ہو گیا اور فتوحات بدرجۂ کمال ہو گئیں حتیٰ کہ اس مسجد میں طالب علم نہ سما سکے۔ (۱۷۶)

حضرت سخی حسن شاہ (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۶ء) نے لاہور کا قصد فرمایا، ۱۹۳۹ء میں حضرت داتا گنج بخش قدس اللہ سرہ العزیز کے مزار پر حجرۂ غریب نواز میں چلہ کشی فرمائی اور آپ کو دوران چلہ تمام دن میں ایک پیالہ چائے بغیر دودھ کے ملتی تھی، وہاں سے آپ کو وہ روحانی قوت نصیب ہوئی، آپ فرماتے ہیں کہ اس کا اندازہ مجھے خود نہیں تھا۔ (۱۷۷)

سنی علماء و مشائخ اور ان کے عقیدت مند روزانہ بکثرت داتا دربار پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں، ان میں سے چند کا تذکرہ یہاں پیش خدمت ہے:۔

☆ حضرت خواجہ گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور پہنچ کر حضرت

شیخ علی ہجویری مخدوم داتا گنج بخش کی درگاہ میں اکیس دن تک قیام فرمایا، اسی زمانۂ اقامت میں اکثر بزرگان دین اور اولیائے کرام کے مزاروں پر فاتحہ پڑھی اور خاص کر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ سے فیوض روحانی حاصل کیے۔(۱۷۸)

حضرت قاضی سلطان محمود نے حضرت داتا گنج بخش کے مزار گہربار پر حاضری دی اور رات کو وہاں قیام فرمایا ہے، سنا ہے کہ ایک موقع پر لوگوں نے حضرت کو مجبور کر کے حضور داتا صاحب کی مسجد میں وعظ کہنے کے لیے منبر پر کھڑا کر دیا، حضور کچھ خاموش رہے، پھر فرمایا کہ بھائیو پڑھا تو بہت کچھ تھا مگر بھول چکا ہوں، بس اتنا کہنا تھا کہ لوگوں پر رقت طاری ہوگئی اور حاضرین نے رونا شروع کر دیا۔(۱۷۹)

☆ حضرت پیر سید مہر علی شاہ چشتی گولڑوی جب بھی لاہور تشریف لاتے تو مولوی محرم علی چشتی کے ہاں قیام فرماتے یا میاں نبی بخش المعروف میاں شیخ بڈھا رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے ہاں جو آپ کے مرید تھے، اور کبھی غلام محمد تحصیلدار کے مکان پر بھی قیام پذیر ہوتے تھے، دربار داتا میں ضرور حاضر ہوا کرتے تھے اور فیوض باطنی سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔(۱۸۰)

☆ ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ کی ایک خاص اشاعت میں مولانا محمد ذاکر بھگوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر ہے:

"لاہور کے قیام کے دوران شاہی مسجد کی امامت وخطابت آپ کے ذمہ تھی مگر اس جلیل عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے بھی اہل دل کی جستجو میں رہے، جہاں کوئی درویش یا ولی سنتے، خود پہنچتے اور فیض صحبت حاصل کرتے، مخدوم علی الہجویری داتا گنج بخش کا مزار تو آپ کے لیے مقام سکون تھا۔(۱۸۱)

☆ خواجہ حسن نظامی چشتی جب بھی لاہور آتے، حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار اقدس پر ضرور حاضری دیتے۔(۱۸۲)

۱۹۲۷ء میں خواجہ حسن نظامی چشتی نے ریاست آمود (گجرات) کے مہارانا ناہر سنگھ کو ان کی رعایا سمیت مسلمان کیا اور مہارانا کا اسلامی نام نصر اللہ خاں رکھا، اسی سال خواجہ صاحب مہارانا کو لے کر لاہور آئے جہاں زندہ دلان لاہور نے ان کا فقید

المثال استقبال کیا اور میلوں لمبا جلوس نکالا، خواجہ صاحب مہارانا کو درگاہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ میں بھی لے گئے جہاں انہوں نے نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

تقسیم کے بعد خواجہ صاحب دو مرتبہ پاکستان آئے، پہلی بار ۱۶ مئی ۱۹۵۰ء کو اور دوسری بار ۴ نومبر ۱۹۵۰ء کو، پہلے سفر میں خواجہ صاحب درگاہ حضرت میاں میر میں حاضر ہوئے جہاں احاطۂ درگاہ میں ان کی صاحبزادی سیدہ حور بانو کا مزار ہے جس پر ان کا لکھا ہوا مرثیہ بھی کندہ ہے، اس سفر میں خواجہ صاحب ملاقاتیوں کے ہجوم اور کثرت کی وجہ سے درگاہ حضرت داتا گنج بخش میں حاضری نہ دے سکے جس کا ذکر انہوں نے سفرنامے میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ "یہ ایک ایسی کوتاہی ہے جس کو شائع کر کے میں اپنے نفس کو سزا دینا چاہتا ہوں"۔ البتہ دوسری مرتبہ جب وہ پاکستان آئے تو درگاہ حضرت داتا گنج بخش میں حاضر ہوئے اور پہلے سفر کی تلافی مافات کی۔ (۱۸۳)

☆ پیر سید محمد معصوم شاہ سجادہ نشین چک سادہ شریف (م ۱۹۶۹ء) لاہور میں حضرت داتا صاحب کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر حضرت بابا فضل نور قادری نوشاہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے، حضور داتا صاحب سے آپ کو خاص عقیدت تھی، آپ نے اپنی زندگی کے اکثر اوقات مزار حضرت داتا صاحب پر گزارے، آخر ۱۹۵۷ء میں حضرت کے قریب مستقل سکونت اختیار کر لی، حضرت شیخ الحدیث لائل پوری ہر ماہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے دربار میں حاضری کے لیے آتے تو حضرت پیر صاحب سے ضرور ملاقات کرتے۔ (۱۸۴)

☆ حضرت خواجہ گوہر الدین قدس سرہ العزیز (۱۸۶۹-۱۹۵۲ء) کو جب بھی اپنی منزل کے راستہ میں کوئی دشواری پیش آتی، آپ فوراً کسی نہ کسی مزار پر حاضر ہو جاتے، ان میں سے حضرت شاہ دولہ گجرات، حضرت داتا گنج بخش لاہور اور حضرت علاؤ الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات پر حاضری کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے، مزار داتا پر تشریف لے جاتے تو گھنٹوں مراقبہ میں بیٹھے رہتے، اسی لیے آپ اکثر رات کے وقت حاضر ہوتے تاکہ مراقبہ میں مکمل یکسوئی حاصل ہو، بعض اوقات کئی کئی دن وہاں قیام فرما رہتے لیکن جب داتا صاحب قدس سرہ العزیز سے اجازت مل جاتی

تو پھر ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرتے اور حکم داتا کی فوراً تعمیل کرتے، ایک دفعہ اجازت ملنے کے بعد آپ کے ایک مرید نے کچھ وقت ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا، تو آپ نے فرمایا:

''کواریاں کی جانن بیاہیاں تے کی کی پابندیاں ہوندیاں نے''۔(۱۸۵)

☆ حضرت پیر سید عابد حسین (۱۹۴۰ء-۱۹۹۹ء) جب بھی لاہور تشریف لاتے تو حضرت داتا گنج بخش کے مزار مبارک پر حاضری دیتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے والد ماجد کے یوم وصال پر حضرت داتا گنج بخش کے مزار مبارک پر سالانہ عرس کا اہتمام فرماتے رہے، کئی بار دیکھا کہ اس موقع پر محفل میں بیٹھنے کی بجائے آپ مزار مبارک کے پاس انتہائی نیازمندی اور عاجزی وانکساری کے ساتھ بیٹھے ہوئے پائے جاتے تھے۔(۱۸۶)

☆ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے منجھلے صاحبزادے مولانا حاجی حافظ سید خادم حسین شاہ صاحب فارغ التحصیل ہونے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں مولوی فاضل کا امتحان دے رہے تھے، مرزائیوں نے بدلہ لینے کی خاطر ان کے خلاف ایک فوجداری مقدمہ دائر کر دیا، اس مقدمہ کی پیروی کے لیے حضور نے تقریباً ایک سال تک مسجد پٹولیاں میں قیام فرمایا۔

مقدمہ کی پیروی کے لیے مولانا محرم علی چشتی صاحب حضور کی طرف سے وکیل تھے، دوسرے وکلاء بھی شریک تھے لیکن بحث میاں سر محمد شفیع صاحب بیرسٹر نے کی تھی اور پہلے کی طرح اب بھی وہ کسی محنتانہ کے روادار نہ ہوئے، خواجہ ماسٹر کرم الٰہی صاحب مرحوم سیالکوٹ سے مقدمہ کی پیروی کے لیے برابر آیا کرتے تھے۔

جس رات کی صبح فیصلہ سنایا جانا تھا، وہ رات حضور قبلہ عالم نے حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بسر کی، صبح ہوتے ہی آپ خادم حاجی عبد اللہ صاحب امرتسری کو حکم دیا کہ '' آج فیصلے کی تاریخ ہے، پلاؤ، زردہ کی دیگیں چڑھا دو''۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ ''بری ہونے کا فیصلہ ہو جائے تو دیگیں چڑھائیں گے''۔ فرمایا: تم ابھی سے کام شروع کر دو، اللہ تعالیٰ بری کرے گا''۔(۱۸۷)

☆ حضرت مولانا صوفی محمد عظیم فیروز پوری خلیفہ حضرت امیر ملت محدث علی

پوری، حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے مزار پر ہر روز بعد نماز عشاء حاضری دیتے تھے۔۔۔ اپنی اولاد کو ہمیشہ داتا گنج بخش کے مزار پر حاضر ہونے کی تلقین کرتے تھے، ایک دفعہ کسی نے از راہ مذاق پوچھا کہ آپ ہر روز داتا صاحب بیٹھے رہتے ہیں، کبھی داتا صاحب کی زیارت بھی کی ہے، یہ سن کر آپ جوش میں آ گئے اور فرمایا:

''تم بے وقوف ہو، جب تک حضور داتا صاحب مجھے اجازت نہیں دیتے، میں وہاں سے اٹھتا ہی نہیں ہوں''۔(۱۸۸)

☆ حضرت مولانا نبی بخش حلوائی، حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے مزار پر انوار پر خصوصی حاضری دیا کرتے تھے، مجاوران داتا دربار سے آپ کے اچھے مراسم تھے اور وہ آپ سے بہت عقیدت سے پیش آتے تھے۔(۱۸۹)

☆ نانا مرحوم کہتے ہیں، ۲۲ فروری ۱۹۳۶ء سے لے کر نومبر ۱۹۳۷ء تک یہ دستور رہا کہ میں صبح تین بجے کا آلارم لگا کر سوتا، ۳ بجے گاڑی لے کر سیدھا جاوید منزل پہنچتا، پہلے ہی ہارن پر حضرت علامہ تشریف لے آتے۔ ہم دونوں نماز فجر داتا صاحب میں ادا کرتے، علامہ قرآن کریم کا نصف پارہ تلاوت کرتے اور اجالا ہونے پر میں انہیں ان کی اقامت گاہ پر چھوڑ کر واپس آتا، اس معمول میں اندھیرے، سویرے، گرمی سردی، برسات میں کبھی فرق نہیں پڑا، نومبر ۱۹۳۷ء کے آغاز میں جوڑوں کے درد کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے جس سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔(۱۹۰)

☆ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد صاحب کو اولیاء کرام سے بے پناہ عقیدت تھی، ہر ماہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر انوار پر حاضری دیتے اور اپنے تلامذہ کو بھی اس کی تلقین فرماتے، پابندی کے ساتھ حاضری کی طرف توجہ دلاتے اور فرماتے، یہاں کچھ زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، صرف حاضری ہی کافی ہے لیکن پابندی ضروری ہے، حضرت داتا گنج بخش کے مزار مقدس پر حاضر ہوتے تو مزار شریف کے سامنے مغربی جانب کھڑے ہوتے، کچھ پڑھتے اور پھر مختصر دعا جو تمام امت مسلمہ کے حق میں ہوتی، فرماتے، احاطہ مزار شریف میں داخل ہونے کے لیے مزار شریف کے قدموں کی جانب سے سیڑھیوں پر سے ہو کر سیدھے مزار شریف کے

برآمدے میں پہنچتے، مسجد کے صحن کو بطور راستہ استعمال نہ فرماتے، بعد میں کسی نے بتلایا کہ مسجد کے صحن سے نیچے والا فرش بھی قدیم مسجد میں شامل تھا تو اس کے بعد آپنے وہاں سے گزرتے ہوئے ہمیشہ اعتکاف کی نیت کی اور تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد مزار پر حاضری دی۔ (۱۹۱)

☆ لاہور میں جب بھی حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے دربار عالیہ میں حاضر ہوتے تو چھپ کر آتے اور پیر بن کر جمگھٹا لگا کر نہیں حاضر ہوتے تھے، اور جب دعا مانگتے تو جھولی پھیلا کر دعا مانگتے تھے کہ اے پروردگار عالم، دنیائے اسلام کے مصائب کو دور فرمادے۔ (۱۹۲)

☆ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین کو داتا صاحب نور اللہ مرقدہ سے بے پناہ عشق تھا، جب ان کا سالانہ عرس ہوتا تو یا تو آپ مہمان خصوصی ہوتے یا کسی ایک نشست کی صدارت فرماتے اور تقریر بھی فرماتے، آپ کی تقریر نہایت مدلل ہوتی تھی، چند سال ہوئے، آپ نے اس مقام پر صدارتی تقریر میں فرمایا کہ صوفیائے کرام کے چاروں سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) میں سے کسی ایک کی توہین کرنا کفر ہے، لہذا ان مسلکوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ایک دوسرے کے مسلک کی تکذیب نہیں کرنی چاہیے۔ (۱۹۳)

☆ محترم میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ و مالک رضا پبلی کیشنز داتا دربار بازار فرماتے ہیں کہ میں اور میاں منیر منگیروی یکے از اولاد حضرت خواجہ نور محمد چشتی نظامی مہاروی علیہ الرحمۃ سیال شریف میں حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہیں، ہم نے لاہور کا ذکر کیا اور کہا کہ کبھی ہمارے ہاں بھی تشریف لائیں، آپ نے فرمایا کہ میں اکثر حضور داتا صاحب نور اللہ مرقدہ کے دربار عالی وقار پر حاضری دیتا ہوں، اب کے لاہور حاضر ہوا تو آپ سے ملاقات ہوگی، مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کا وصال ہوگیا تو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال لاہور سے ایک ایمبولینس صاحبزدگان کرایہ پر حاصل کر کے سیال شریف کی طرف جانے لگے تو

پائلٹ ہوٹل کے پاس ایمبولینس رک گئی، میاں زبیر صاحب بتاتے ہیں کہ جب میں نے سنا تو بھاگم بھاگ ایمبولینس جو سڑک کے کنارے کھڑی تھی، کے پاس پہنچا اور آپ کا چہرہ مبارک دیکھا، پھر گھر آیا اور والد صاحب اور دیگر احباب کو لے کر گیا، ہم سب نے آپ کا چہرہ اقدس دیکھا۔

واقعی بزرگان دین جو اپنی حیات میں وعدہ فرماتے ہیں، اس کو پورا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کے وعدہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ (۱۹۴)

☆ وصال کے بعد جب حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا جسد خاکی کمبائنڈ ملٹری ہسپتال سے سیال شریف ایمبولینس میں لے جایا جا رہا تھا تو پائلٹ ہوٹل داتا گنج بخش روڈ پر زبدۃ العارفین، عمدۃ السالکین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ عالیہ کے سامنے ایمبولینس ایک گھنٹہ تک کھڑی رہی اور یہ آپ کی داتا دربار پر آخری حاضری تھی جہاں کہ آپ اپنی تمام زندگی حاضری دیتے رہے اور جلسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ (۱۹۵)

میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی نے راقم سے بیان کیا کہ خانوادۂ امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی کے چشم و چراغ اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی کے داماد حضرت مفتی تقدس علی خان قادری رضوی (م ۱۴۰۸ھ) شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، خیر پور (سندھ) ایک مرتبہ حضرت داتا صاحب حاضری کے لیے آئے، آپ نے تہجد کے وقت چھوٹی مسجد (بہاولپوری) میں غسل فرمایا۔ غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہنتے ہوئے آپ کی رقم غسل خانے میں گر گئی۔ اندھیرے میں تلاش کیا مگر نہ ملی۔ اسی مسجد میں دو رکعت نماز نفل شکرانہ برائے حاضری داتا صاحب ادا کیے، اور مزار پر انوار پر حاضر ہو گئے، فاتحہ خوانی کے دوران ایک شخص آیا، اس نے آپ کے ہاتھ میں وہ رقم تھما دی۔ آپ تہجد کی ادائیگی کے لیے مسجد میں آ گئے، نماز ادا کی اور تلاوت کلام مجید میں مشغول ہو گئے۔ اذان فجر کے بعد وضو تازہ فرمایا۔ نماز فجر ادا کی اور دوبارہ حاضری کے لیے مزار شریف کی طرف بڑھے، وقت دیکھنے کے لیے کلائی کی طرف دیکھا تو گھڑی غائب تھی، آپ نے فرمایا: وہ گھڑی

بہت قیمتی تھی، فوراً تالاب کی طرف گئے جہاں وضو فرمایا تھا، گھڑی کو تلاش کیا مگر نہ ملی۔
رخصت کے وقت پھر فاتحہ پڑھی۔ دوران فاتحہ دل میں خیال آیا:
''سرکار! رقم تو واپس کردی مگر قیمتی گھڑی رکھ لی۔''
اسی دوران ایک آدمی آیا اور کہا: یہ رہی آپ کی گھڑی۔(۱۹۶)

☆ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کا یہ معمول ہو گیا کہ آپ بعد نماز عشاء ہاشم شاہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تھوڑی دیر قیام فرماتے، پھر لاہور روانہ ہو جاتے، وہاں راہنمائے کاملاں، حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے آستانہ پر حاضری دیتے اور واپس شرقپور شریف تشریف لے آتے، کئی سال سرکار شرقپوری کا یہی معمول رہا۔(۱۹۷)

☆ حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری کو حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس سرہ سے بڑی انسیت تھی، فرماتے ہیں کہ ''لاہور جانا ہو اور داتا گنج بخش کے مزار پر حاضری نہ ہو تو بڑی کمی محسوس ہوتی ہے اور لگتا ہے کہ اہم ترین کام رہ گیا ہے، داتا صاحب کے دربار عالیہ میں آپ کی حاضری کا منظر دیدنی ہوتا، انتہائی عجز و انکسار سے حاضری دیتے، خاکسار نے دیکھا کہ آپ اپنی گردن میں رومال حائل کیے، اسے دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے خمیدہ سر اور بادیدہ نم دربار شریف کی طرف جا رہے ہیں، پہلے بیرونی دہلیز کو بوسہ دیا، پھر دربار شریف کے صحن میں گئے۔(۱۹۸)

☆ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ماضی کے دریچوں میں جھانکتے ہوئے فرمایا کہ ''جب بھی میں اور قبلہ والد گرامی کسی بھی کام کے سلسلہ میں امرتسر سے لاہور آتے جاتے تو ہم حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لازم حاضری دیتے، میری عقیدت کا یہ عالم تھا کہ مزار شریف پر مختصر حاضری اور جلد واپسی مجھ پر ہمیشہ شاق گزرتی اور میرے ظاہر و باطن سے یہ ہوک اٹھتی کہ کاش یہ وقت ٹھہر جائے یا یہ فاصلے سمٹ جائیں کہ میں شبانہ روز پوری طمانیت سے حاضری دے سکوں، قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہ فاصلے سمٹ گئے اور احقر کی آرزو پوری ہوئی، یہ حضرت داتا صاحب کا خاص کرم ہے کہ مجھے پاس بلا لیا اور اپنے فیض سے مستفیض فرمایا''۔(۱۹۹)

آخر میں معروف صحافی محترم ریاض بٹالوی کی تحریر سے یہ اقتباس نذر قارئین ہے:

''داتا کے دربار پر خلق خدا اُمڈی چلی آرہی ہے، آج ہر راستہ علی ہجویری کے آستانے پر ختم ہوتا ہے، گنج بخش کے تمام دروازے کھل گئے ہیں، ایک عالم فیض سے جھولیاں بھر رہا ہے، آنکھیں ہیں کہ مظاہر خدا کی تجلیوں سے خیرہ ہورہی ہیں، دلوں میں حرم کا تصور ہے، ہونٹوں پر تاجدار حرم کا نام ہے، ہاتھ دعاؤں کے لیے اٹھتے ہیں، جھولیاں حاجت کے لیے پھیلی ہیں اور جسم جذبات کے بوجھ سے لرز رہے ہیں اور۔۔۔اور آنے والوں، مانگنے والوں، چاہنے والوں، پانے والوں، سب کی زبان پر ایک بوریہ نشین کی مدح ہے،

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا۔۔۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ داتا کے حضور جھولیاں پھیلی ہوئی ہیں، علی ہجویری کی نگری میں حد نگاہ تک حاجتیں اور منتیں پھیلی ہوئی ہیں، داتا کے دروازے پر ان گنت آنکھیں لگی ہوئی ہیں، کوئی مسکراتے ہوئے سوال کر رہا ہے، کوئی روتے ہوئے فریاد کر رہا ہے، کوئی گردن جھکائے کھڑا ہے، کوئی ہاتھ دراز کیے بیٹھا ہے، کوئی ہزاروں میل دور سے چل کر آیا ہے، کوئی پا پیادہ سفر کر کے آیا ہے، عقیدتوں کے نذرانے ہیں، ریاضتوں کے پیمانے ہیں، عبادتوں کے زمانے ہیں اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ داتا کے آستانے پر ہجوم کرنے والے کیا بوڑھے اور کیا بچے، کیا مراد اور کیا عورتیں، کیا امیر اور کیا غریب، کیا شہر یار اور کیا غریب شہر، کیا حاکم اور کیا محکوم، کیا آقا اور کیا غلام، کیا آجر اور کیا اجیر، محض اسی لیے آتے ہیں کہ خدا کے قرابت داروں سے صرف اپنی حاجتیں بیان کریں، اُن کے مزاروں پر منتیں مانیں، ان سے اپنی خواہشات بیان کریں اور ان سے دنیاوی زندگی کی ضرورتیں پوری کریں۔ (۲۰۰)

مزار شریف کی آمدنی

حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ سے مسلمانوں کی عقیدت اور مزار اقدس سے حاصل ہونے والی آمدنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لاہور کے ایک معروف سیاسی و سماجی راہنما چوہدری عید محمد مرحوم نے ایک انٹرویو میں بتایا:

''میں اولیائے کرام کا قلبی طور پر عقیدت مند ہوں، ۱۹۲۸ء سے حضرت داتا گنج بخش کے دربار میں حاضر ہوتا ہوں اور خاص طور پر عرس کے موقعہ پر حاضر ہوتا ہوں۔۔۔ انبالہ قیام کے دوران عرس کے موقعہ پر داتا صاحب کے مزار پر بجلی کے کام میں حصہ لینے کے لیے آتا تھا۔۔۔ میں داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار کے اوقاف کی تحویل میں آنے کے بعد سے مسلسل امور مذہبی کمیٹی کا رکن چلا آرہا ہوں اور میرا خیال یہ ہے کہ مزارات سے متعلق کمیٹیوں میں انہیں افراد کو شامل کیا جانا چاہیے جو اہل مزارات کے عرس میں دلچسپی رکھتے ہوں اور صاحب مزارات کے فیوض و برکات پر یقین رکھتے ہوں۔۔۔

چوہدری عید محمد نے اس بات سے اتفاق کیا کہ حضور داتا گنج بخش کے نام سے ایک دینی یونیورسٹی قائم ہونی چاہیے جو قومی تعمیر و ترقی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔(۲۰۱) اور داتا صاحب سے منسلک اور منسوب بڑے سے بڑا ادارہ بآسانی قائم ہوسکتا ہے اور چل سکتا ہے، اس لیے کہ داتا صاحب کے گلہ کی آمدنی ۳۰، ۳۵ ہزار روپیہ روزانہ ہے جس سے بڑے سے بڑا کام کیا جا سکتا ہے (یہ ۱۹۸۰ء کی بات ہے۔)، اگرچہ محکمہ اوقاف نے بعض قابل تحسین اقدامات کیے ہیں، خود داتا صاحب کے دربار کی حالت ماضی کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے، داتا دربار صرف لاہور، پنجاب، پاکستان ہی کا مرکز عقیدت نہیں بلکہ پورے برصغیر اور عالم اسلام میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جہاں دنیا کے بیشتر حصوں سے زائرین اور معتقدین زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں، بلاشبہ شاہی مسجد سے زیادہ حاضری اور شاہی مسجد سے زیادہ آمدنی ہے، شاہی مسجد بادشاہ کی تعمیر کردہ ہے تو یہ بادشاہی بخشنے والی ہستی سے منسوب ہے، یہاں

سروں پر تاج شاہی رکھے جاتے ہیں۔

چوہدری عید محمد نے داتا صاحب سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ جانب شمال زنانہ حصہ کی طرف بڑا دروازہ ان کی بیگم نے تعمیر کرایا ہے۔

مدرسہ کے اجرا سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ جانب جنوب دو بڑے دروازوں کے درمیان نیچے جو دفتر تھا، اس حصہ میں مدرسہ کھولا جا رہا ہے جس کے لیے جگہ خالی کرالی گئی ہے، جس میں بچے قرآن پاک حفظ و ناظرہ، تجوید و قرأت کی تعلیم حاصل کر سکیں گے، اس تعلیمی ادارے کے اخراجات وہ خود اور اپنے حلقۂ احباب سے کریں گے۔۔۔۔

چوہدری عید محمد نے بتایا کہ حضور داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ سے مخلوق خدا کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ نقدی کے علاوہ سونے چاندی کے زیورات قیمتی چادریں، بجلی کے چھاڑ فانوس وغیرہ اور کھانا اس کے علاوہ۔ (۲۰۲)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مزار شریف کی آمدنی کو استعمال کرنے کے لیے ایسے افراد کا انتخاب ہونا چاہیے جو اسے جائز سمجھتے ہوں، جو لوگ اس آمدنی کو سرے سے جائز ہی نہیں سمجھتے، انہیں اس متبرک کام میں شریک کرنا قطعاً درست نہیں، اہل حدیث کے نقیب ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنے اداریہ میں لکھا ہے:

''(اوقاف کی) جائز آمدنی میں مساجد کے ساتھ ملحق دکانوں کے کرائے یا ان کے نام وقف ذرائع سے حاصل شدہ آمدنی ہے، دوسرا ذریعہ آمدنی وہ ہے جو بزرگوں کی واقعی یا فرضی قبروں پر نذر و نیاز اور چڑھاوے سے حاصل ہوتی ہے اور ہماری معلومات کی حد تک اوقاف کا بہت بڑا حصہ انہی چڑھاووں کا ہے۔۔۔۔قبروں سے حاصل شدہ آمدنی کا بہت سارا حصہ شرعی نقطہ نظر سے حرام قرار پاتا ہے، اس لیے کہ ''مزاروں'' کا یہ سارا کاروبار لات ومنات مشرکانہ ہے۔۔۔لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ محکمہ اوقاف میں جائز و ناجائز دونوں آمدنیاں ایک ہی زمرے میں ہیں اور حلال و حرام گڈمڈ ہو گئے ہیں اور اسی مجموعہ ''حلال وحرام'' سے ائمہ وخطبائے مساجد کو تنخواہیں

دی جاتی ہیں، اس طرح وہ اہل توحید خطباء وائمہ جو اوقاف کی مساجد میں متعین ہیں، وہ بھی ایسے مال کے کھانے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں، جبکہ ان کے عقیدے کی رو سے (اور اصل اسلامی عقیدہ ہے بھی یہی)، قبروں پر چڑھاوے کی آمدنی حرام اور ناجائز ہے۔" (۲۰۳)

"الاعتصام" کے فاضل مدیر کی بدقسمتی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں اللہ کے نیک بندوں اور مشرکین کے بتوں کے مابین فرق کا علم نہیں ہے۔ ہماری نظر میں بزرگوں کے متعلق اسی غلط سوچ کا ہی نتیجہ تھا کہ جب بزرگان دین کے صحیح و جائز وارث مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے ہمنوا بن گئے تو ان لوگوں کے اکابر ہندو کانگریس کو مشکل کشا سمجھ کر اس کی حمایت کرنے پر کمربستہ ہو گئے، اسی طرح انہوں نے چند سال قبل امریکہ اور عراق کی جنگ میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا، البتہ اہل حدیث حضرات کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مزارات کی آمدنی حرام سمجھنے کے باوجود اس قبیل کے بعض مولوی اسی سے تنخواہ لے کر خود اور اپنے بچوں کا پیٹ پال رہے ہیں، یہی شکایت اہل سنت بھی کرتے ہیں، قاری عبدالحمید قادری رقمطراز ہیں:

"مزار اقدس اوقاف کی تحویل میں ہے جس کی ظاہری آمدنی ۳۵ سے ۴۰ ہزار روپیہ روزانہ ہے اور سالانہ آمدنی ایک کروڑ سے زیادہ ہے☆، ایوب خان کے زمانہ میں مزار شریف کو اوقاف کی تحویل میں لے لیا گیا، عوام نے یہ خیال کیا کہ سرکاری تحویل میں آنے کے بعد مزار شریف کی آمدنی سے ملت اسلامیہ کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے اجتماعی بنیاد پر کام کیا جائے گا، عوام کے لیے اسلامی یونیورسٹی قائم کی جائے گی جہاں ابتدائی تعلیم سے لے کر سند فراغت تک تعلیم کا اہتمام ہو گا، چھوٹے بچے ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم حاصل کریں گے، درس نظامی کی تعلیم سے فارغ علماء نکلیں گے، لیکن عوام کی توقعات ایک فی صد بھی پوری نہ ہو سکیں، ایک کروڑ روپیہ آمدنی کے باوجود داتا صاحب سے متعلق کوئی تعمیری کام نہیں ہو رہا، ایک کروڑ روپیہ کی خطیر رقم مزارات کی آمدنی کو حرام قرار دینے والے افراد کو کثیر تنخواہیں، اونچے گریڈ اور بھتے دیئے جا رہے ہیں، حرام کہنے والوں کو شاہی سہولتیں دی جا رہی ہیں،

مختصر یہ ہے کہ داتا دربار کی آمدنی اس پر خرچ کی جارہی ہے جو داتا صاحب کے مزار پر حاضری اور اس کی آمدنی کو علی الاعلان حرام قرار دیتے ہیں۔'' (۲۰۴)☆

محکمہ اوقاف میں بعض ایسے لوگ اہم عہدوں پر فائز ہیں جو ذہنی طور پر اولیاء اللہ کی شان و عظمت اور تصرفات بعد وصال کے قائل نہیں اس لیے وہ مزارات کی آمدنی کو بزرگان دین کے عقائد و نظریات کی تردید کرنے پر صرف کرتے ہیں، اس طرح لاکھوں عقیدت مندوں کو اس بات سے دکھ پہنچتا ہے کہ ان کی محنت مزدوری سے کمائی ہوئی رقم کا صحیح استعمال نہیں ہو رہا ہے، مسلمان ان کے اس منفی طرز عمل پر احتجاج کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں حکومت کے لیے امن و امان کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے، مثلاً ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ نامی ایک شخص کو علماء اکیڈمی کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا تھا، انہوں نے مذکورہ اکیڈمی کے زیر اہتمام پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی تصنیف ''تاریخ تصوف'' شائع کی، جو حضرت داتا صاحب سمیت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے افکار و نظریات کے خلاف مواد پر مشتمل تھی، اہل سنت نے اس کے خلاف آواز اٹھائی تو مخالفین کتاب اور بد عقیدہ ڈائریکٹر کا دفاع کرنے کے لیے میدان میں اترے۔ طوالت کے خوف سے ہم یہاں صرف جماعت اسلامی اور علمائے دیوبند کے ترجمان رسائل سے دو اقتباسات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

''اس کتاب سے کسی کو اختلاف ہو تو وہ تحقیقی بنیاد پر اختلاف ضرور کرے مگر تحقیقی کتابوں کو فرقوں کے نقطہ نظر سے جانچنا اور اختلاف نظر آئے تو کتاب کو خلاف قانون قرار دلانے کے لیے ایجی ٹیشن شروع کر دینا اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک سرکاری ادارے کے سربراہ کو کتاب کا ناشر ہونے کے جرم میں برطرف کرانے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے ماڈرن خواتین نے الہدیٰ پروگرام کو بند کرنے کے لیے ایجی ٹیشن کیا، فرقہ وارانہ نظریات کی لے اتنی نہ بڑھائیے کہ علم و ادب اور تاریخ و تحقیق کی پوری سلطنتوں پر ہل چلوا دیا جائے۔ (۲۰۵)

☆ امسال (۲۰۰۳۔۲۰۰۴ء) صرف پاپوش کا ٹھیکہ کم و بیش دو کروڑ ہے۔ باقی آمدنی؟

''محکمہ نے ایک کتاب بنام ''تاریخ تصوف'' چھاپی جس کے مصنف مشہور اہل علم وقلم پروفیسر یوسف سلیم چشتی ہیں جو پاکستان کے اہل علم میں سب سے زیادہ عمر والے اور متعدد زبانوں کے جاننے والے ہیں، اس اللہ کے بندے نے یہ کتاب لکھ کر اتنا بڑا احسان کیا کہ باید وشاید؟ مجھے تو کتاب پڑھ کر ایسا محسوس ہوا کہ پروفیسر صاحب صوفیاء کے بغیر کسی کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے لیکن ہمیں افسوس اس وقت ہوا جب ایک طبقہ نے ۶، ۷ سال پہلے چھپی ہوئی اس کتاب کے خلاف یہ ہنگامہ شروع کر دیا کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے کیونکہ اس میں بزرگان دین کی توہین کی گئی ہے، ان شرفاء ملت سے کوئی پوچھے کہ توہین کہاں کی گئی ہے؟ (۲۰۶)

حکومت نے ہوشمندی سے کام لیتے ہوئے مذکورہ کتاب ضبط کر لی اور ڈائریکٹر صاحب کو برطرف کر دیا، صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری نے اس قابل تحسین فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

'' کچھ عرصہ سے علمی حلقوں میں علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف کی جانب سے ۔۔ کتاب '' تاریخ تصوف'' موضوع بحث بنی ہوئی ہے، اس کتاب میں مبینہ طور پر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، امام غزالی علیہ الرحمۃ اور دیگر مقتدر صوفیاء کرام کے علاوہ مفکر پاکستان علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد ونظریات پر ناشائستہ زبان استعمال کی گئی ہے، بزرگان دین کے مزارات کی آمدنی سے طبع ہونے والی کتاب میں بزرگان دین پر ہی زبان طعن دراز کی گئی تھی، یاللعجب!

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ حکومت نے ایک آرڈیننس کے ذریعے منافرت پھیلانے والی اس کتاب کو ضبط کر کے اکیڈمی ڈائریکٹر ڈاکٹر گورایہ کو الگ کر دیا ہے، حکومت کے اس فیصلے کو علمی ودینی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھا جائے گا، امید ہے کہ آئندہ محکمہ اوقاف احتیاط سے کام لے گا اور علماء اکیڈمی اور مزارات پر انہی اصحاب کو منتظم مقرر کرنے کا اہتمام کرے گا جو اولیاء کرام کی فضیلت اور حرمت کے قائل ہوں''۔ (۲۰۷)

یہ بالکل جائز مطالبہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخش نور اللہ تعالیٰ مرقدہ اور دیگر

بزرگانِ دین کے مزلدات کا کنٹرول ایسے افراد کے ہاتھ میں ہونا چاہیے جو اولیاء اللہ کے عقیدت مند ہوں، جو لوگ مزارات کی آمدنی کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ اگر رضا کارانہ طور پر مستعفی ہو جائیں تو اس میں ان کا اپنا فائدہ ہے کیونکہ اس طرح وہ ان کے عقیدہ کے مطابق ''حرام کمائی'' پر پرورش پانے سے بچ جائیں گے، جو لوگ اس آمدنی کو حرام جاننے کے باوجود ملازمت چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں، حکومت انہیں متبادل روزگار مہیا کر کے یہاں سے فارغ کر دے، ان کی جگہ بزرگانِ دین کی عزت و عظمت پر جان قربان کرنے والے صحیح الفکر لوگوں کو بھرتی کر لے اور آئندہ اسی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا رہے۔

عرس داتا

ایک زمانہ تھا کہ تقریباً ہر مکتب فکر کے لوگ اعراس میں شرکت کرتے تھے جو کسی غلط فہمی کی وجہ سے شریک نہ بھی ہوتے تو وہ خاموش رہتے لیکن جب سے بعض غیر ممالک نے امداد میں حیران کن اضافہ کر دیا ہے، چند مٹھی بھر افراد کے رویہ میں تبدیلی آ گئی ہے، اب یہ لوگ تمام اعراس خاص کر عرس داتا صاحب میں مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، یہ بات ان کی سمجھ سے بالا تر ہے کہ سارا سال یہ لوگ مسلمانوں کو اپنی تقاریر میں یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی عرس میں شریک ہونے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لیکن ان کی نصیحت کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، اس ناقص کارکردگی کو دیکھ کر سرمایہ فراہم کرنے والے ممالک کے بااثر لوگ یقیناً ناراض ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان کے مقصد کے یہی چند افراد ہی دستیاب ہیں، اس لیے ان کی امداد بند کرنے سے احتراز کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ماہنامہ القول السدید لاہور کے مدیر اعلیٰ محمد طفیل کی تحریر سے صرف دو اقتباسات پیش خدمت ہیں:

''ایک مرتبہ نجد کا مفتی ابن سبیل مکی پاکستان کے نجدیوں کی دعوت پر آیا تو اس وقت حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تقریبات زوروں پر تھیں، لاکھوں

نفوس کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھ کر مفتیٔ نجد کی آنکھیں پھٹ گئیں کہ میرے استقبال کے لیے تو بادشاہی مسجد میں چند نجد کے ٹکوں پر پلنے والے مُلّے ہی تھے، یہ کون سی شخصیت کا استقبال ہو رہا ہے، جب بتایا گیا کہ یہ سید علی ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہ کے سالانہ عرس مبارک پر آئے ہوئے زائرین کا ہجوم ہے تو فوراً ابن عبدالوہاب نجدی کی ذریت ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے شرک و بدعت کے درد میں مبتلا ہو کر شرک کا فتویٰ صادر کر کے لاکھوں زائرین کو مشرک کہا تو مخدوم اہل سنت، امام المناظرین حضرت علامہ صوفی اللہ دتہ علیہ الرحمۃ نے ایک ہفتے کے اندر اندر نجدی مفتی کے فتوے کا رد لکھ کر چھاپ دیا جو آج تک دنیائے نجد کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ کے مترادف ہے۔ (۲۰۸)

"مختلف گروہ عرس کی رونق کو کم کرنے کے چکر میں اپنی عاقبت کو داؤ پر لگاتے رہتے ہیں مگر لا حاصل، ایک گروہ رائے ونڈ والوں کا بھی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ حج کے بعد دوسرا بڑا اجتماع ان کا ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہمارے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے جب راولپنڈی فوج کے ایک سالار کو کوئی اور بات نہ آئی تو کہنے لگا کہ آپ تعداد کو چھوڑیں، صرف یہ دیکھیں کہ کہاں کہاں سے جماعتیں آتی ہیں لیکن جب ہم نے عرض کیا کہ جناب جماعتیں کیوں نہ آئیں، سارا سال تو رائے ونڈ کی چوٹی سے لے کر مولوی الیاس میواتی کی لنگوٹی تک کا زور لگا دیا جاتا ہے اور قافلے بھیج بھیج کر لوگوں کو بلایا جاتا ہے جبکہ ادھر لوگ خود بخود آتے ہیں اور عقیدت کے ساتھ آتے ہیں، صرف دعا مانگنے کے لیے جمع نہیں ہوتے، یہ بات سن کر بیچارہ خاموش ہو گیا اور کہنے لگا کہ دراصل ہمیں مرکز نے ہدایت کی ہوئی ہے کہ بحث نہ کریں، اس لیے میں بحث نہیں کرتا حالانکہ یہ بھی رائے ونڈ برانڈ دیوبندی کا جھوٹ تھا کیونکہ اس سے قبل جناب بحث فرما رہے تھے۔ (۲۰۹)

اس میں شک نہیں کہ اہل سنت کے قائدین اپنے عقیدت مندوں کو حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے عرس مبارک میں شریک ہونے کی حوصلہ افزائی ضرور کرتے ہیں جیسا کہ حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے سابق وفاقی وزیر

حاجی محمد حنیف طیب کو یہ تلقین فرمائی تھی کہ وہ حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے عرس میں ہر سال شرکت کی کوشش ضرور کریں۔ (۲۱۰) لیکن منظّم طریقہ سے مہم چلا کر اور زائرین کو اپنے خرچ پر لاہور لے جانے اور واپس لانے کا بندوبست نہیں کرتے جبکہ مخالفین حتی الامکان یہی کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو عرس شریف میں شریک نہ ہونے پر آمادہ کیا جائے لیکن اس کے باوجود مسلمان خود برضا و رغبت محض فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے جوق در جوق لاہور پہنچ کر دربار اقدس پر حاضر ہوتے ہیں:

☆ ایک مولوی صاحب، داتا صاحب کے عرس شریف میں حاضری کے لیے لاہور جا رہے تھے کہ ٹرین میں ایک ''خشک'' نے ان سے دریافت کیا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کہا: ''داتا کے عرس میں''، بولا ''وہاں کیا لینے جا رہے ہیں آپ؟'' کہا: ''اللہ کی رحمت'' بولا، ''اللہ کی رحمت تو ہر جگہ موجود ہے، پھر وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

کہا! لو سنو، ایک مثال دیتا ہوں، یہ ریلوے لائن پشاور سے کراچی تک جاتی ہے، پہاڑوں سے بھی گزرتی ہے، چھانگا مانگا کے جنگل سے بھی اور سندھ کے چٹیل میدانوں سے بھی، ہر جگہ سے گزرتی ہے، پھر اگر کسی نے کراچی جانا ہو اور وہ ''کراچی میل'' پر سوار ہونے کے لیے ریلوے لائن کے قریب پہاڑوں میں یا جنگل میں یا میدان میں کھڑا ہو جائے اور یہ کہے کہ ریلوے لائن یہاں بھی موجود ہے، یہیں سے میں گاڑی پالوں گا، تو بتاؤ، کیا اسے گاڑی مل سکے گی؟ خشک آدمی بولا، یہ تو مشکل ہے اگر اسے گاڑی کو پانا ہے تو اسے اسٹیشن پر جانا پڑے گا کیونکہ ریلوے لائن اگرچہ ہر جگہ موجود ہے مگر گاڑی ملتی اسٹیشن پر ہی ہے۔

مولوی صاحب نے فرمایا، تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اگرچہ ہر جگہ موجود ہے مگر ملتی وہ رحمت کے اسٹیشنوں پر ہی ہے۔ اور داتا کا دربار، یہ رحمت کا اسٹیشن ہے۔ اسی طرح بغداد شریف، اجمیر شریف، کلیر شریف یہ سب رحمت کے اسٹیشن ہیں اور سب بڑا رحمت کا جنکشن اسٹیشن جہاں سے یہ رحمت کی لائنیں پھوٹتی ہیں، مدینہ منورہ ہے جس کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے ''جاؤک'' فرما کر فرمایا ہے کہ میری رحمت لینی ہے تو اس اسٹیشن پر آجاؤ۔ (۲۱۱)

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی اہلیہ محترمہ بیان فرماتی ہیں:

آج سے تقریباً ۲۰ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ ان دنوں ہر جمعرات دربار داتا صاحب حاضری دینا میرا معمول تھا۔ ایک روز حسب معمول میں داتا صاحب گئی اور جب گھر واپسی کا ارادہ کیا، اور اپنے برقعے کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو میری جیب میں کوئی پیسہ نہ تھا۔ (کسی نے جیب سے پیسے نکال لیے تھے) اب میں سخت حیران تھی کہ گھر کیسے جاؤں گی۔ اسی پریشانی کے عالم میں چلتے چلتے دہلی گیٹ تک پہنچ گئی اور سراج ہوٹل کے نیچے کھڑے ہو کر سوچنے لگی کہ اب اگر یہاں سے شاد باغ کا تانگہ مل بھی جائے تو کرایہ کہاں سے دوں گی۔ اس وقت جو تانگہ آتا مرد حضرات دوڑ کر اس میں بیٹھ جاتے۔ شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اتنے میں سامنے سے دو چار خواتین نظر آئیں تو میں بھاگ کر ان کے پاس جا کھڑی ہوئی، کیونکہ وہ چہرے کچھ شناسا سے لگے (وہ عورتیں شاد باغ کی گجریاں تھیں جنہیں میں جانتی تھی مگر وہ مجھے نہیں جانتی تھیں) سوچا کہ یہ بھی شاد باغ جائیں گی، لہذا ان کے ساتھ بیٹھ جاؤں گی اور ان سے کہوں گی کہ وہ میرا کرایہ بھی ادا کر دیں جو میں پھر انہیں لوٹا دوں گی۔ جبکہ ان سے یہ کہنے کا حوصلہ بھی نہ تھا کہ نجانے وہ عورتیں آگے سے کیا کہیں، اتنے میں سامنے سے ایک تانگہ مسجد کی طرف سے آ گیا۔ کوچوان کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مرد بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا کہ بی بی بیٹھو تانگہ شاد باغ جا رہا ہے۔ تو ہم سب عورتیں جلدی سے تانگے پر سوار ہو گئیں۔ تانگے پر بیٹھ کر کچھ حد تک تسلی ہوگئی مگر ایک مرحلہ ابھی باقی تھا کہ کرایہ کس سے لوں اور کیا بات کروں۔ خدا خدا کر کے ٹوکے والا چوک آیا اور میں اب تک خاموش رہی اور اپنا مدعا کسی سے بیان نہ کیا، سب عورتیں تانگے سے اتریں اور کرایہ دینے کے لیے پیسے نکالنے لگیں۔ کوچوان کہنے لگا کہ بی بی وہ آدمی جو کہ راستے میں ہی (وسن پورہ) اتر گیا تھا، جاتے جاتے تانگے کی تمام سواریوں کا کرایہ ادا کر گیا ہے۔ احساس تشکر سے میرے آنسو نکل آئے۔ یہ سب بزرگان دین کی کرامات اور ان سے حسن عقیدت کا نتیجہ تھا۔ (۲۱۲)

☆ حضرت شاہ غلام نبی بن محمود بن محمد عظیم قادری (م ۱۸۳۱ء) اپنے مرید شیخ

عمر دین کے ساتھ حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش ؒ کے عرس میں شامل ہونے کے لیے روانہ ہوئے، اس وقت دریائے راوی بہت طغیانی پر تھا اور کشتی بھی نہ چل سکتی تھی، مرید نے خدشہ ظاہر کیا، آپ نے فرمایا، ان اللہ معنا، اللہ تعالیٰ بیشک ہمارے ساتھ ہے، پس آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دریا میں قدم ڈال دیا اور عمر دین سے کہا کہ تم بس قدم بہ قدم میرے پیچھے آ جاؤ، چنانچہ اس نے آپ کی تقلید کی اور وہ دونوں دریا پار کر کے حضرت داتا صاحب کے مرقد منور تک پہنچ گئے۔ (۲۱۳)

معروف صحافی جناب خواجہ اسلم کاشمیری عرس کے موقع پر زائرین کی حاضری کے متعلق رقمطراز ہیں:

''حضرت مخدوم سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس پچھلے دنوں ہوا اور گزر گیا، ویسے زائرین کی حاضری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دوسرے بزرگوں کے سالانہ عروس کے موقع پر جتنی حاضری ہوتی ہے، یہاں کم وبیش اتنی ہر روز ہوتی ہے، یہی نسبت دوسری درگاہوں کے مقابلے میں اس درگاہ کی آمدنی کی ہے، یہاں ہر روز ہزاروں روپے کے نذرانے پیش ہوتے ہیں۔'' (۲۱۴)

عرس شریف کے موقع پر بعض عناصر کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ماہنامہ ''القول السدید'' لاہور کے مدیر اعلیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''اس مرتبہ تو کچھ ایسے سیاستدانوں کے کیمپ بھی دیکھے جو عرس کی تقریبات میں شامل ہو کر بھی سیاست جیسے گندے دھندے کو نہیں بھولتے بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح یہاں آنا بھی حصول ووٹ کا زینہ بن جائے، اسی لیے انہوں نے اگر کسی کو پانی کا گلاس بھی پلایا ہے تو اپنے بینروں کے سائے تلے تاکہ نام ونمود کے حصول میں کوئی کمی نہ رہ جائے، مگر جب دوسری طرف دیکھیں تو ایسے ایسے خدام بھی دیکھنے میں آئے کہ ہزاروں روپے کا لنگر زائرین میں تقسیم فرما کر خاموشی سے غائب ہو گئے، کسی کو نام بتایا نہ پتہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مخلوق خدا کی خدمت کو عبادت خیال کرتے ہیں اور عبادات کا اظہار کر کے اسے ضائع نہیں کرنا چاہتے، اللہ تعالیٰ اس گروہ کا سایہ تاقیامت قائم رکھے۔''

ایک گروہ ڈھول ڈھمکے اور دھمال و ناچ والا ہے، یہ کام سراسر خلاف شریعت ہے، اس گروہ کی اصلاح کے لیے لاکھوں صفحات پر مشتمل لٹریچر اور علمائے کرام کی زبانی تبلیغ پر مشتمل مواد ہر سال منظر عام پر آتا ہے مگر پاکستان میں نجدیوں کی تعداد کی طرح اس گروہ کی تعداد بھی بہر حال بڑھ رہی ہے جو کہ ایک اچھا سائن نہیں ہے، اس بات کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ یہ لوگ ان پڑھ ضرور ہوتے ہیں مگر نجدیوں کی طرح جاہل نہیں ہوتے یا یوں سمجھ لیں کہ پڑھے لکھے جاہل نہیں ہوتے، ویسے تو اس مرتبہ ہم نے ایک نجدی کو دھمال ڈالتے دیکھا تو پریشان ہو گئے کہ یہ قیامت کی نشانی ادھر کہاں آ پہنچی؟ جب ہم نے مخاطب ہو کر اس کو یاد دلایا کہ آپ کس ''شرک'' میں مبتلا ہیں تو بے چارہ بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ دوستوں کے ساتھ آیا تھا، ڈھول کے ردھم نے ناچنے پر مجبور کر دیا، جب ہم نے اس بات کی اشاعت کا ذکر کیا تو اشاعت گریز کی قسم دے کر دوبارہ پھر دھمال کے میدان میں کود پڑا، ہم یہ منظر دیکھنے کے بعد آگے چل دیئے اور دل میں سوچا کہ ہم تو شاید نام نہ ظاہر کریں، اگر کسی نجدی نے دیکھ لیا تو ضرور کہے کہ ہمارے قبیلے کا ایک فرد مرتد ہو گیا، بہر حال باتوں باتوں میں بات دور نکل گئی، میں عرض کر رہا تھا کہ خلاف شرع حرکتوں سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ اہل سنت و جماعت کے مسلک کے خلاف ہیں اور ایسے اعمال میں شریعت کی مخالفت بہر حال گناہ ہے۔ (۲۱۵)

آخر میں عرس شریف کے متعلق محمد سرور نوید کی یہ روح پرور تحریر پیش خدمت ہے:

''رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے، تجلیات کی بارش ہو رہی ہے، فیوض و برکات کی روشنی چہار سمت پھیل چکی ہے، عقیدتوں کے نذرانے پیش کئے جا رہے ہیں، بھاٹی دروازے سے مشرق کی طرف لوہاری، شاہ عالمی تک، شمال کی جانب ٹیکسالی، جنوب کی سمت ضلع کچہری اور مغرب کی طرف بلال گنج کے آخری کناروں تک خلقت ہی خلقت ہے کہ آج داتا کا عرس مبارک ہے، بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ایک مرکز پر جمع ہو رہا ہے، ہاتھوں میں شگفتہ پھولوں کے ہار ہیں، اگر بتیوں کے پیکٹ ہیں، خوشبوئیں ہیں، چہروں پر جذب و شوق کے آثار ہیں، ہونٹوں پر

سلام اور آنکھوں میں ان کی عقیدت ہے اور یہ مرکز تجلیات ہے، داتا کا دربار ہے، گنج بخش کی بارگاہ ہے، ہر ایک کی آرزو ہے کہ وہ سب سے پہلے داتا کے حضور اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کرے۔

رات کا پچھلا پہر ہے، مرقد مبارک رنگین قمقموں سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے، صحن مسجد میں درود و سلام کی مجالس منعقد ہیں، لوگ جالیوں سے لگے راز و نیاز میں محو ہیں، جذب کی ایسی کیفیت ہے کہ وقت کا احساس ہے اور نہ بھوک کا خیال، موسم کی سختی بھی عقیدت و محبت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی، بس آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو محبت کا اظہار کر رہے ہیں، ایک طرف کلام پاک کی تلاوت ہو رہی ہے تو دوسری طرف فاتحہ کے لیے ہزاروں ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں، تسبیح کے دانوں پر الحمد للہ اور اللہ اکبر کی صدا کبھی بلند ہوتی ہے تو کبھی دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے، وقت کی ساعتیں تھم گئی ہیں، رات آخری دموں پر ہے لیکن خلق خدا داتا کے آستانہ پر بیدار کھڑی ہے، ہزاروں آرزوئیں ہیں، تمنائیں ہیں، حسرتیں ہیں، مرادوں سے جھولیاں بھری جا رہی ہیں، ہاتھ اٹھتے ہیں، بار بار بلند ہوتے ہیں، کبھی دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں سے چھلکتا ہے تو کبھی حال دل الفاظ کی صورت میں زبان سے ادا ہوتا ہے۔

توسل و دعا

دعاؤں کی ملی جلی صدائیں بلند ہوتی ہیں: ”داتا میں ظالم ہوں، گنہگار ہوں، آج تیرے در پر کھڑا ہوں، تو خدا رسیدہ بزرگ ہے، تو ولی ہے، خدا کا دوست ہے، تیرے طفیل مجھے گناہوں کی معافی مل جائے۔“

آرزوؤں اور مرادوں کا سلسلہ جاری ہے، اس در پر تمام خلقت حاضری دیتی ہے، ظالم کے ساتھ مظلوم بھی کھڑا ہے، دشمن کے ساتھ دوست بھی ہے، خستہ حال بھی ہیں اور مالدار بھی، اہل انصاف بھی ہیں اور طالب عدل بھی، بے کس بھی ہیں اور ارباب اختیار بھی، یہ وہ در ہے جہاں ظالم اپنے کیے پر شرمسار ہوتا ہے اور دشمن دشمنی کا لبادہ اتار پھینکتا ہے، خستہ حال غنی بنتے ہیں اور دعاؤں کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے،

یہاں آنے والا ہر شخص پیکر مہر و محبت اور مجسمہ ایثار و خلوص بن کر جاتا ہے، یہ وہ در اقدس ہے جہاں نفرت اور دشمنی کے تمام منفی جذبات دم توڑ دیتے ہیں اور قلوب عرفان حق اور وجدان و یقین کی روشنی سے منور ہو جاتے ہیں، تب دل کی گہرائیوں سے آواز بلند ہوتی ہے:

پیر کامل، مرشد و ہادی مکمل راہنما
بوئے عرفان الٰہی در مشام گنج بخش

کلام خواجہ غلام محی الدین دائم الحضوری قصوری (۲۱۶)

کشف المحجوب

کشف المحجوب کی بدولت پاک و ہند میں تصوف اور روحانیت نے بڑا فروغ پایا اور حقیقی تصوف سے عوام کو روشناس کرانے میں اس کتاب نے بڑا اہم اور نمایاں کردار ادا کیا، اسی وجہ سے کشف المحجوب علم تصوف پر حضرت ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شہرۂ آفاق تصنیف مانی گئی ہے، جو موضوع اور متن کے اعتبار سے بلند پایہ اور انمول خزینہ ہے، یہ کسی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں، اس کتاب کو تصوف کے آئین کا درجہ حاصل ہے، اس نابغہ روزگار کتاب میں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب علم حقیقت و عرفان کے بارے میں اپنے ایک رفیق سفر حضرت ابوسعید ہجویری کے سوالات کے جوابات میں تحریر کی اور اس کتاب کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اس کا نام ''کشف المحجوب'' اس لیے رکھا کہ کتاب کے نام سے ہی اہل علم و فکر جان لیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔

کشف المحجوب شریعت و طریقت کے قواعد و ضوابط، اسرار و رموز اور صوفیانہ فکر و نظر کے متعلق ہر دور میں عظیم تخلیق قرار دی گئی ہے، جب چھپائی کا کوئی بندوبست نہ تھا، حقیقت کے متلاشی اہل دل نے اس کے قلمی نسخے لکھے اور لوگوں تک پہنچانے کا بندوبست کیا، کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف پر پہلی کتاب ہے (۲۱۷)

جس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں، کشف المحجوب کا قدیم ترین مطبوعہ ایڈیشن وہ ہے جس کا ذکر اے۔ جے۔ آر بری نے انڈیا آفس کی لائبریری کی کتابوں کی فہرست میں کیا ہے، اس کتاب کے قلمی اور مطبوعہ ایڈیشنوں کی ایک فہرست ایل ایس ڈگن نے کشف المحجوب کے قلمی نسخے وی آنا، پیرس، برٹش میوزیم، لینن گراڈ یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریری، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، برلن اور لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہیں، ان میں نو سو سال پرانا نسخہ بھی شامل ہے، کشف المحجوب کے قدیم ترین قلمی نسخوں کے سلسلہ میں لاہور میں بھی بعض نادر نسخے موجود ہیں، دو منقش قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہیں جن میں سے ہر ایک پر ۱۲۶۵ھ درج ہے، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا ایک قلمی نسخہ پبلک لائبریری لاہور میں ہے، کشف المحجوب کا ایک قدیمی قلمی نسخہ میاں محمد صدیق سابق سجادہ نشین درگاہ علی ہجویری کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے، یہ فارسی کا وہ قدیم ترین نسخہ ہے جس کی نقل سب سے پہلے نول کشور لکھنوی نے دربار علی ہجویری میں رکھوائی تھی، کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ برطانوی مفکر آر۔ اے نکلسن نے کیا تھا جسے ۱۹۱۱ء میں سٹیفن آئسن اینڈ سنز لندن نے شائع کیا تھا، بعد ازاں سمرقند میں اسے ملا سید عبدالمجید مفتی نے ۱۳۳۰ھ میں شائع کیا تھا، پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود کشف المحجوب کا جو سمرقندی نسخہ ہے وہ مغربی دانشور ایل ایس ڈگن کو افغانستان سے ملا تھا، کشف المحجوب کا مستند ترین نسخہ روس میں شائع ہوا ہے جسے روس کے اسلامی علوم کے ماہر پروفیسر ژوکوفسکی نے ترتیب دیا، یہ نسخہ لینن گراڈ سے شائع ہوا اور اس میں پروفیسر ژوکوفسکی کا ایک مفصل دیباچہ بھی شامل ہے، لینن گراڈ سے شائع ہونے والے اس نسخے کی بنیاد وی آنا قومی لائبریری میں موجود ایک نسخے پر ہے۔۔۔ اردو میں کشف المحجوب کے ان گنت ترجمے شائع ہو چکے ہیں جن میں بعض ترجمے نایاب ہیں اور ترجمہ کرنے والے فاضل اساتذہ نے حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے اصل جوہر اور اس کے مفہوم کو واضح کرنے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ (۲۱۸)

کشف المحجوب میں درج بعض باتوں کی صداقت کے بارے میں غلام فرید کپلانہ (جھنگ صدر) نے اپنے ایک مضمون ''قدرت اللہ شہاب کی باتیں'' میں لکھتے ہیں کہ میں اس وقت ضلع مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری تھا اور شہاب صاحب سے ضلعی معاملات کے سلسلے میں گاہے بگاہے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔۔۔ یہ واقعہ شہاب صاحب نے خود ایک پارٹی میں سنایا تھا:

''جھنگ کے ڈی۔سی ہاؤس میں، میں ایک رات کافی دیر تک حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' کا مطالعہ کرتا رہا، جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں حضرت علی ہجویری قدس سرہ نے یہ لکھا ہے کہ اولیائے کرام کی مختلف ولایات ہیں، کوئی قطب ہے، کوئی ابدال ہے، کوئی اوتاد ہے اور یہ اولیائے کرام ہر زمانے اور ہر دور میں موجود ہوتے ہیں اور ان کو علاقے تفویض ہوتے ہیں جن کی دیکھ بھال اور حفاظت ان کے ذمہ ہوتی ہے تو میں نے کتاب بند کر دی اور سوچ میں پڑ گیا، کافی دیر تک یہی سوچتا رہا کہ اگر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست ہے تو پھر اس دور میں اولیائے کرام کی کچھ تعداد ضرور موجود ہوگی اور اگر موجود ہے تو مجھے تو باوجود کوشش و جستجو کے کبھی کسی سے ملاقات کا موقع نہیں ملا، میں یہی سوچتے سوچتے سو گیا۔

خواب میں دیکھا کہ جھنگ سے پندرہ میل دور واقع تریموں ہیڈ کے مقام پر کشتی میں سوار دریا کی سیر کر رہا ہوں، دریا میں اونچی اونچی لہریں اٹھ رہی ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے ایک منہ زور لہر اٹھی اور میری کشتی سے آ کر ٹکرائی جس سے کشتی الٹ جاتی ہے اور میں دریا میں ڈوبنے لگتا ہوں کہ اچانک ایک طرف سے کسی بزرگ کا ہاتھ نمودار ہوتا ہے اور مجھے بازو سے پکڑ کر کنارے پر ڈال دیتا ہے، عین اسی وقت میری آنکھ کھل جاتی ہے اور میں کافی دیر تک پریشانی کے عالم میں جاگتا رہتا ہوں، اگلے روز جب میں اپنے دفتر میں بیٹھا روزانہ کی ڈاک دیکھ رہا ہوتا ہوں تو ایک خط کی تحریر سے چونک جاتا ہوں، خط میں لکھا ہے کہ تم رات کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر پڑھ کر بلا وجہ شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے تھے تو جان لو کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ

علیہ نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ حرف بحرف صحیح ہے، ہر دور میں اولیائے کرام کی ایک کثیر تعداد موجود ہوتی ہے اور یہ اس دور میں بھی موجود ہیں اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں اور مجھے اس علاقہ کی ذمہ داری سپرد ہوئی ہے، جس طرح تم اس ضلع کے ڈپٹی کمشنر ہونے کے ناطے اس علاقہ کی حفاظت کے ذمہ دار ہو، اسی طرح میں بھی ذمہ دار ہوں، رات کو خوب میں ڈوبنے سے میں نے ہی تمہیں بچایا تھا، میں تمہاری عدالت میں ایک دفعہ آچکا ہوں مگر شاید تم نے نہیں پہچانا، میں آئندہ چند روز میں پھر تمہاری عدالت میں آؤں گا مجھے پہچاننے کی کوشش کرنا۔

لہذا اگلے چند دن میں دفتر کا وقت شروع ہونے سے ختم ہونے تک انتہائی انہماک اور تجسس سے اپنی نگاہیں دروازے پر مرکوز رکھتا اور ہر اندر آنے والے کو نہایت غور سے دیکھتا، تقریباً ایک ہفتہ بعد ڈاک کے ذریعے پھر ایک خط موصول ہوا، وہی طرز تحریر تھی اور اس میں لکھا تھا کہ میں دوبارہ تمہارے دفتر آیا تھا مگر افسوس کہ تم نے مجھے نہیں پہچانا، اب ایک کام تمہارے سپرد کیا جاتا ہے، جسے تم نے فرض سمجھ کر پورا کرنا ہے، غور سے پڑھو، موضع احمد پور سیال میں فلاں تاریخ اور فلاں دن کو اتنے بجے ایک شادی ہو رہی ہے، دولہا جس کی عمر تقریباً اسی (۸۰) سال ہے، مقامی زمیندار ہے اور لاولد ہے، دلہن کی عمر تقریباً پندرہ سال ہے، زمیندار کے عزیز واقارب اولاد نرینہ کی خواہش میں اس کی شادی اتنی کم عمر لڑکی سے کر رہے ہیں، لڑکی اس رشتہ پر سخت پریشان ہے اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لی ہے کہ جس روز بارات اس کے دروازے پر آئے گی، وہ زہر کی پڑیا کھا کر خودکشی کر لے گی، زہر کی پڑیا اس نے اپنے دوپٹے کے ایک کونے میں چھپا کر باندھ رکھی ہو گی، تم نے عین اس موقع پر جب بارات دلہن کے گھر پہنچے گی، اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے چھاپہ مارنا ہے اور یہ شادی رکوا دینی ہے، بصورت دیگر خودکشی کے نتیجے میں اس بے قصور لڑکی کا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔

شہاب صاحب کے بقول انہوں نے مقررہ دن اور وقت پر زنانہ پولیس کی معیت میں جائے وقوعہ پر چھاپہ مارا، بارات آچکی تھی، شہاب صاحب کے حکم پر زنانہ

پولیس نے دلہن کے دوپٹے کی تلاشی لی تو اس کے پلو میں زہر کی پڑیا بندھی ہوئی ملی، پولیس نے اس واقعہ کی رپورٹ باہر آ کر شہاب صاحب کو دی جس کے بعد انہوں نے شادی رکوادی، دلہا میاں بغیر دلہن کی ڈولی کے باراتیوں کے ساتھ مایوس و ناکام واپس لوٹ گئے اور دلہن کے والد اور عزیزوں نے شہاب صاحب کو دعائیں دیں۔

وہ پراسرار گمنام خطوط جو کہ شہاب صاحب کو ڈاک کے ذریعہ موصول ہوئے تھے، ان پر مہر جھنگ شہر کے ڈاک خانہ کی ہوتی تھی، اس لیے شہاب صاحب نے جھنگ شہر کے کچھ احباب کے علاوہ محمد شیر افضل جعفری مرحوم کے ذمہ بھی یہ ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں تلاش کریں تا کہ اس ان دیکھی ہستی کا کوئی سراغ مل سکے جو یہ خطوط ارسال کرتی تھی، بقول جعفری صاحب، انہوں نے اپنے تئیں کافی جستجو کی مگر بلا سود۔'' (۲۱۹)

شاہ فاروق احمد کا عیسائی نام لینارڈ تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی طبیعت میں مذہب کی طرف بہت زیادہ میلان ہو گیا، آپ کو حضرت داتا صاحب سے بے پناہ محبت تھی اور اس وجہ سے کشف المحجوب کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور کشف المحجوب کا مطالعہ کر کے ہی آپ مسلمان ہوئے تھے۔ (۲۲۰)

ایک اور محب داتا صاحب، حضرت خواجہ سید خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں جو عظیم خطاط تھے، نے کشف المحجوب کو اپنے زمانے میں اپنے دست مبارک سے نقل کیا اور حاشیہ پر مولانا عبدالغفور لاری کی چیدہ چیدہ شرح جو کہ مولانا نے فرمائی تھی، اس کو بھی محفوظ رکھا، اس نسخہ کے آخر میں آپ کے دستخط مبارک اور تاریخ تکمیل بھی درج ہے، یہ نسخہ یک شنبہ غرہ ربیع الثانی بوقت دو پہر ۱۰۱۴ھ کو مکمل ہوا۔ (۲۲۱)

اس کے برعکس جو لوگ بزرگان دین سے عقیدت نہیں رکھتے، ان کی سرگرمیوں سے اہل سنت و جماعت سے وابستہ حضرات کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، جماعت اسلامی کے ایک سابق امیر میاں طفیل محمد صاحب نے، جن کا تعلق مخالفین کے گروہ سے ہے، نے کشف المحجوب کا ترجمہ کیا ہے، کاش وہ یہ ترجمہ نہ کرتے تو بہتر ہوتا، ان کے اس ترجمہ کو حضور داتا صاحب کے عقیدت مندوں نے غیر معیاری

قرار دیا ہے، لیکن ہم ان کے بجائے ایک غیر جانبدار دانشور انتظار حسین کے تاثرات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، یہ تبصرہ کچھ طویل ہونے کے باوجود متوازن اور بے حد دلچسپ ہے، اس لیے امید ہے کہ قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنے کا باعث ثابت ہوگا، جناب انتظار حسین تحریر فرماتے ہیں:

''اب کے برس داتا صاحب کے عرس سے ہم آئے تھے کہ ایک بزرگ نے دوٹوک سوال کیا کہ عرس میں آئے ہو مگر کبھی کشف المحجوب بھی پڑھی ہے؟ ہم نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ اس طرح نہیں پڑھی، جس طرح پڑھنے کا حق ہے، وہ بزرگ ہم پر مہربان تھے، بولے کہ لو تمہیں ہم کشف المحجوب کا ایک ترجمہ دیتے ہیں، اسے ذرا پڑھنا اور انصاف کرنا۔

اس ترجمہ کو ہم نے پڑھنا شروع کیا تو ہماری آنکھیں کھل گئیں، ہمارے زمانے میں مترجموں میں ایک نیا رجحان پیدا ہو رہا ہے، وہ دخل در معقولات کرتے ہیں، مصنف کے بیان کا ترجمہ کرنے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بیچ بیچ میں بولتے جاتے ہیں، خواہ غلط ہی بولیں، مگر یہ ہمارے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سلوک داتا صاحب سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

ہم یہ ترجمہ پڑھتے جاتے تھے اور سوچتے جاتے تھے کہ یا اللہ! ہم نے کشف المحجوب پہلے بھی پڑھی ہے، بیان بدلا بدلا کیوں ہے، وہ بصیرت افروز باتیں جو ہم نے پہلے اس باب میں پڑھی تھیں، وہ کہاں گئیں اور یہ نئے نئے بیان اس میں کب اور کیسے شامل ہو گئے۔

جب ہم نے اس ترجمہ کا دیباچہ پڑھا، تب ہم پر حقیقت حال روشن ہوئی، مترجم میاں طفیل محمد ہیں، دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے پوری کوشش کی ہے کہ مصنف بزرگوار کی استفادۂ عام کی کوئی بات رہ نہ جائے اور نہ کوئی بات اپنے اصل مفہوم سے ہٹنے پائے، البتہ خاص فلسفیانہ بحثوں اور مسائل کی صوفیانہ توجیہات کو میں نے چھوڑ دیا ہے، جو پرانے اسلوب نگارش کا حصہ تو ہیں لیکن اصل مضمون اور مقصود بیان سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں،

ان کے بجائے تین چیزوں کا میں نے اضافہ کیا ہے، ایک یہ کہ ان آیات اور حتی الامکان احادیث کے بھی حوالے دیئے گئے ہیں جن کو حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بات کے ثبوت اور وضاحت میں پیش فرمایا ہے، دوسرے جہاں مجھے ان آیات واحادیث اوراقوال کے علاوہ اسی مضمون کی کوئی اور آیت، حدیث یا قول ملے ہیں تو انہیں بھی میں نے شامل کر دیا ہے تا کہ اصل مضمون زیادہ سے زیادہ خوبی اور مضبوط دلائل کے ساتھ ادا ہو جائے۔''

اب اس بیان کی روشنی میں میاں طفیل محمد صاحب کی میناکاری کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے، شروع کتاب میں داتا صاحب نے بتایا ہے کہ انہوں نے استخارہ کیا اوراس کے بعد اس کتاب کا آغاز کیا، پھر انہوں نے استخارے کے بارے میں کچھ باتیں کہی ہیں، میاں طفیل محمد صاحب نے اس پورے بیان، میں اس طور کتر بیونت کی ہے کہ استخارے کا تذکرہ یکسر غائب ہو گیا مگر جو باتیں انہوں نے کہی ہیں وہ تو سب استخارے کی بحث میں کہی ہیں، اس لیے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس پورے بیان کے ساتھ میاں طفیل محمد صاحب کو کیا سلوک کرنا پڑا ہوگا۔

کشف المحجوب کے مختلف مباحث میں میاں طفیل محمد صاحب نے داتا صاحب کے بیان کو ناکافی سمجھا اور اپنی طرف سے اس میں اضافے کیے مگر ایسے بیان بھی ہیں جنہیں انہوں نے کافی سے زیادہ سمجھا اور اس میں تخفیف کرتے چلے گئے، مثلاً جس بیان میں ایک حدیث درج کی گئی ہے، اس میں دو تین اور احادیث درج کر دی گئیں اور اپنی طرف سے کچھ عبارت بھی شامل کر دی گئی مگر کسی بیان میں اگر چار حدیثیں درج نظر آئیں تو اس میں سے تین حذف کر دی گئیں اور ایک رہنے دی، مثلاً ایک باب میں جو چپ رہنے اور بولنے کے آداب سے متعلق ہے، میاں طفیل محمد صاحب احادیث کو اور مختلف صوفیاء کے اقوال کو جو اس میں درج تھے، حذف کرتے چلے گئے ہیں، اور داتا صاحب کے بیان میں بھی اچھا خاصا تغیر وتبدل کیا ہے حالانکہ یہ ایسا باب ہے کہ خود میاں طفیل محمد اس کے مطالعے سے چپ رہنے اور بولنے کے بہت سے قیمتی آداب سیکھ سکتے تھے۔

اسی باب میں داتا صاحب نے یہ فرما رکھا ہے کہ:

"مرید کو چاہیے کہ رہنماؤں کے کلام میں دخل نہ دے اور اس میں کچھ تصرف نہ کرے اور پریشان اور اوپری عبارت استعمال نہ کرے۔"

میاں طفیل محمد صاحب نے کم از کم اس بیان کو حذف نہیں کیا ہے مگر اس پر دھیان بھی نہیں دیا، انہوں نے شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں دخل بھی دیا ہے اور اس میں تصرف بھی کیا اور اس میں پریشان اور اوپری عبارت بھی داخل کی ہے۔

پس زیر بحث ترجمہ کا متن مترجم کی اس روش کے باعث نا قابل اعتبار ہو گیا ہے، اس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ کتنی بات داتا صاحب نے کہی ہے اور کتنی بات اس میں میاں صاحب نے شامل کر دی ہے، اپنی طرف سے تو میاں صاحب نے داتا صاحب پر احسان ہی کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں داتا صاحب جا بجا مضمون کو خوبی اور مضبوط دلائل کے ساتھ ادا نہیں کر سکے ہیں، پس انہوں نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سہارا دیا ہے اور ان کے کمزور بیان کو مضبوط بنایا ہے، میاں طفیل محمد صاحب کو یہ زعم مبارک رہے مگر پڑھے لکھے آدمی ہو کر انہیں اتنی معمولی بات تو معلوم ہونی چاہیے کہ کسی مصنف کے بیان پر اگر کوئی اعتراض مقصود ہو یا اس میں تصحیح یا اضافے کی ضرورت محسوس کی جائے تو وہ حاشیے میں کی جاتی ہے، مصنف کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو اسکول ماسٹر طلبہ کی کاپیوں کے ساتھ کرتا ہے کہ اس کی عبارت میں کاٹ پیٹ کرتے چلے گئے، جہاں جی چاہا، فقرے اضافے کر دیے، علمی دنیا میں اسے امانت میں خیانت کہتے ہیں۔ (۲۲۲)

آخر میں کشف المحجوب کے متعلق چند گرانقدر آراء ملاحظہ فرمائیں:

☆ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اسے اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا۔ حضرت سلطان المشائخ شاہ نظام الدین محبوب الٰہی۔ (۲۲۳)

☆ یہ کتاب فن تصوف کی معتبر اور مشہور کتب میں سے ہے، آپ نے اس کتاب میں بے شمار لطائف وحقائق جمع کر دیے ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ (۲۲۴)

☆ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب تصنیف بزرگ تھے،

آپ کی مشہور کتاب کشف المحجوب ہے، کوئی شخص ایسا نہیں جو آپ کی اس تصنیف کے کمالات کا معترف نہ ہو۔ مفتی غلام سرور لاہوری (۲۲۵)

☆ یہ کتاب مرشد کامل کا حکم رکھتی ہے، تصوف پر فارسی میں اس زیادہ بہتر کوئی تصنیف نہیں ہے۔ داراشکوہ (۲۲۶)

☆ اسے درجہ اول کی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ملک الشعراء محمد تقی بہار (۲۲۶)

☆ نانا مرحوم (ڈاکٹر نیاز احمد سابق ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی پنجاب یونیورسٹی) ایک بات کا جس کا وہ خاص طور پر ذکر کرتے تھے، وہ علامہ اقبال کی حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے لیے عقیدت تھی، ایک بار جب علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے جاوید منزل گئے تو علامہ اقبال "کشف المحجوب" کا مطالعہ کررہے تھے، نانا کو دیکھتے ہی پرنم آنکھوں سے بولے! دیکھو ڈاکٹر نیاز، یہ کتاب نہیں یہ تو گنجینۂ معانی ہے، کیا خوبصورت پیغام کتنے سادہ لفظوں میں دیا گیا ہے مگر سمجھ نہیں آتی، مسلمان اس قدر بے حس کیوں ہو گیا ہے، واللہ اگر ہم آج بھی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف کی گہرائی اور گیرائی سمجھ لیں تو اسلام کو سمجھنے میں دقت ہی کچھ نہیں رہ جاتی۔ (۲۲۸)

☆ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح شیخ ہجویری نور اللہ مرقدہ نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب لانے (۲۲۹) اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، شیخ کے خیالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گیرائی ہے، تصوف کی کتابیں اب تک عربی زبان میں تھیں، اس لیے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا، یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی، حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے۔ (۲۳۰)

☆ اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیر یہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہے، دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال وحکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، برخلاف اس کے مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک محققانہ، مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں اور

مباحث سلوک پر ردوقدح کرنے میں تامل نہیں کرتے بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف رقم کی ہے۔ (۲۳۱)

☆ مولانا مودودی صاحب ہی سے سن رکھا تھا کہ اہل طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش ایک صحیح الخیال اور بہت بلند مرتبہ بزرگ تھے جنہیں اس کوچہ کے سبھی لوگ مقتدا مانتے ہیں اور ان کی تصنیف "کشف المحجوب" اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ (۲۳۲)

☆ جیل کی لائبریری کی کتابوں کی فہرست میرے سامنے لائی گئی تو اس میں "کشف المحجوب" بھی شامل تھی، میں نے اسے نکلوا کر پڑھنا شروع کیا، چند ہی صفحات پڑھنے کے بعد یہ بات میرے دل ودماغ پر مسلط ہوگئی کہ جیسے کچھ بھی مجھ سے ہوسکے، مجھے اس کتاب کو دوسرے بندگان خدا تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے، اپنی انفرادی زندگی کو اسلام کے مطلوب معیار انسانیت کے مطابق ڈھالنے کے لیے آدمی کے سامنے جن باتوں کو آنا چاہیے وہ تقریباً سب کی سب اور اجتماعی زندگی کے سدھار اور اصلاح کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہے، ان میں سے بھی بہت سی اس کتاب میں قرآن مجید، حدیث شریف اور صحابہ کرام، ائمہ دین اور دوسرے نامور بزرگوں کے اقوال کی مدد سے اس مؤثر طریق سے بیان کردی گئی ہیں کہ اگر اس کتاب کو عام لوگوں کے لیے قابل فہم بنادیا جائے تو آدمی کی کایا پلٹ دینے والی کتابوں میں سے یہ ایک نادر کتاب ہے۔ (۲۳۳)

☆ حضرت شیخ علی بن عثمان کی کتاب کشف المحجوب تصوف کے رازہائے بستہ کے حل کے لیے مفید ترین کتاب ہے۔ (۲۳۴)

☆ حضرت میاں صاحب شرقپوری فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے دو ہستیوں سے خاص نسبت ہے، ایک سرتاج الاولیاء، امام الاتقیاء، شہنشاہ بغداد حضرت میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دوسرے زبدۃ العارفین، حجۃ الکاملین، سند الموحدین، مظہر العلوم الخفی والجلی المخدوم حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے"۔

آپ نے فرمایا ''اوائل عمر میں اکثر لوگ مجھے کتابیں دیتے تھے، میں نہیں لیتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر میں لائق ہوا تو کتابیں خود بخود آ جائیں گی اور اگر نالائق ہوا تو میں نے کتابیں کیا کرنی ہیں۔

کچھ عرصہ بعد اپنے مکان میں کچھ تلاش کر رہا تھا کہ ایک الماری میں دو کتابیں پڑی ہوئی تھیں، ایک ''غنیۃ الطالبین'' اور دوسری ''کشف المحجوب'' انہیں کھول کر سامنے رکھتا تھا تو ان میں سے سفید رنگ کا دھواں سا نکلتا تھا اور میرے دل میں سرایت کر جاتا، چونکہ ان دونوں ہستیوں کی نسبت مجھ پر غالب تھی، یہ ان کا فیض تھا جو مجھے میسر تھا۔

اگر کوئی آدمی دونوں کتابوں میں سے کوئی ایک بھی مانگتا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ میرا دل اور میری انتڑیاں نکلی جا رہی ہیں''۔(۲۳۵)

☆ داتا صاحب کی کتاب کشف المحجوب ان کی عالمگیر شہرت کا سبب بنی، اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک اوریجنل (ORIGINAL) کتاب ہے اور اس میں کسی کی خوشہ چینی نہیں کی گئی۔(۲۳۶)

☆ یہ کہنا اظہار عقیدت نہیں بلکہ اعتراف حقیقت ہے کہ کشف المحجوب ایک محققانہ تصنیف ہے اور تصنیف محقق ہے تو مصنف کا محقق ہونا لازم ٹھہرا اور محقق کے لیے عالم ہونا ایک بنیادی شرط ہے اور ایسا عالم جو اپنے علم و فضل کے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹانے پر کمر بستہ ہو تو لوگ گنج بخش نہ کہیں تو اور کیا کہیں گے اور یہی عالم جب اپنا روحانی فیض بھی عام کر دے تو اس کے لیے فیض عالم ہونے میں کیا شبہ اور مظہر نور خدا ہونے میں کیسے کلام ہو سکتا ہے۔(۲۳۷)

☆ کشف المحجوب شریف حقیقت میں علوم تصوف کا ایک جامع انسائکلو پیڈیا ہے جس میں سید ہجویر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حسن علم بھی ہے، حسن عمل کی تابانیاں بھی، صدق و صفا بھی ہے، لطف و کرم بھی، حسن خلق بھی ہے اور حسن ادا بھی۔۔۔اس میں قرآن مجید، فرقان حمید کے پھول بھی ہیں، احادیث مبارکہ کی کلیاں بھی، آثار صحابہ کی جگمگاہٹ بھی ہے اور روایات کی چاشنی بھی، آپ کے مباحث کریمہ

کے آخر میں جب ''من علی بن عثمان جلابی میگویم'' کے الفاظ کہہ کر در ہائے بے بہا لٹاتے ہیں تو قاری کے دل کو سرور اور نظروں کو جلا حاصل ہوتی ہے، یہ ایک محققانہ انداز ہے، کیوں نہ ہو، آپ کو اپنی علمیت پر مکمل اعتماد ہے، استدلال کی قوت اپنی مثال آپ ہے، اسلوب کا وقار ہے، علم کا جاہ وجلال ہے اور زبان وبیان کی شان وشوکت ہے، کسی قاری کو سوال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی بلکہ سوال سے قبل ہی جواب مل رہا ہے، کیوں نہ ہو کیونکہ آپ ایک طرف دنیائے روحانیت کے اوج کمال پر ہیں اور دوسری طرف علمی رفعتوں اور عظمتوں کا مخزن بھی۔(۲۲۸)

☆ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں عقلی اور فلسفیانہ پیچیدہ مباحث کے برعکس انتہائی سادہ اور قرآنی انداز میں خالصتاً اسلام کی دعوت دی ہے، بڑے زور شور اور جوش وخروش کے ساتھ شریعت وسنت کی حاکمیت کا غلغلہ برپا کیا ہے، وہ شریعت وسنت سے باہر عمل کے ایک معمولی قدم یا سوچ کی ایک ادنیٰ لکیر کا تصور تک نہیں کرتے۔

کشف المحجوب خاص طور پر حقیقت کے متلاشی اور باہمت لوگوں کی راہنمائی کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں شریعت وطریقت میں توازن وہم آہنگی برقرار رکھنے والے صوفیانہ عمل کی راہیں متعین کی گئی ہیں، اس کے علاوہ کشف المحجوب کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ذات باری تعالیٰ میں اس قدر فنا کر دے کہ اس کا ہر فعل اور عمل اس کے اپنے ارادے اور کسب سے نہیں بلکہ فعل خداوندی سے ظہور پذیر ہو اور اس کی اپنی حیثیت اس پتلی کی رہ جائے جسے اس کا مالک ڈور کے ذریعے ہلا، نچا رہا ہوتا ہے۔(۲۲۹)

حضرت داتا صاحب کی تصنیف منیف کشف المحجوب جو انہوں نے آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے، مسائل شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیاء متقدمین کے حالات بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے، نیز فارسی زبان میں تصوف واحسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام نے تصوف کی بے مثل

کتاب قرار دیا ہے، کشف المحجوب کاملین کے لیے راہنما ہے تو عوام کے لیے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت عرفان وایقان حاصل ہوتی ہے اور شک وشبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں، اس نادر و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی، وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ (۲۴۰)

تصرفات بعد وصال

تصرفات بعد وصال کے متعلق مخالفین کا نقطہ نظر گزشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، اس لیے یہاں مزید دلائل پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اب جو واقعات نذر قارئین کیے جا رہے ہیں، ان سے خود بخود یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ جو لوگ حضور داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کو "داتا" یا "گنج بخش" ماننے سے انکار کرتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہ واقعات عملاً ظہور میں آ چکے ہیں، منکرین سے ہم یہی درخواست کر سکتے ہیں کہ وہ غیروں کی نہیں بلکہ اپنے اکابرین کے افکار و نظریات کا مطالعہ فرما کر اپنے غلط موقف پر نظر ثانی فرما لیں۔ آخر میں ہم مخالفین کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش کریں گے جن سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو غیر مشروط طور پر "داتا گنج بخش" تسلیم کرتے ہیں۔

بیعت

حضور داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے متعلق راقم کی نظر سے ایسا کوئی واقعہ نہیں گزرا کہ انہوں نے خود کسی کو بعد وصال بیعت فرمایا ہو البتہ وہ طالبان حق کی رہنمائی اور بعض اوقات بیعت ہو جانے کے بعد اس کی توثیق فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں چند واقعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ بابا غلام فرید بٹالوی کے متعلق حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

''غرض بابا غلام فرید بہت پھرے اور عمر کا ایک حصہ تلاش حق کے لیے جہاں نوردی میں گزار دیا مگر مقصود نہ ملا، مایوس ہو کر خودکشی کے خیالات کا غلبہ ہوا، ایک تولہ سم الفار یعنی سنکھیا خریدا مگر کچھ تردد پیدا ہوا اور پھر تلاش شروع کر دی، بابا موصوف کہتے تھے کہ سفر کے دوران ایک شہر کی مسجد میں رات کو سونے کا قصد کر رہا تھا کہ ایک دوسرا مسافر بھی وہیں آنکلا، طلب مولیٰ کی باتیں شروع ہو گئیں، کہنے لگا، اگر خدا کو ملنا ہے تو گولڑہ جا، گولڑہ کا نام میرے لیے مقناطیس بن گیا، رات بھر اسی فکر میں نیند بھی نہ آئی اور صبح اٹھتے ہی پتہ پوچھ کر روانہ ہو گیا، جب گاڑی سے اتر کر چلا تو ایک جگہ بارش کے پانی کی وجہ سے کیچڑ ہو رہا تھا، وہاں سے کیچڑ منہ پر ملا اور اس ہیئت کذائی سے حضرت قبلہ عالم (پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی) کی خدمت میں مسجد میں جا حاضر ہوا، کئی مہینے پہلے لاہور میں حضرت داتا صاحب کی خانقاہ میں چلہ کے خاتمہ پر خواب میں دیکھا تھا کہ میرے مقدمہ کی مسل داتا صاحب نے ایک سیاہ گیسوؤں والے خوش پوش بزرگ کے سپرد کر دی ہے جو کہ ان کے پاس ہی بیٹھے ہیں، اسی خواب کے باعث زہر خوری سے رک گیا تھا، دیکھا تو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات شریف میں وہی بزرگ میرے سامنے موجود ہیں اور ویسا ہی لباس زیب تن ہے۔۔ چنانچہ بعد نماز ظہر شہتوت کے درخت کے نیچے بلوا کر تخلیہ میں وظائف ارشاد فرمائے۔ (۲۴۱)

☆ حضرت شیخ بڈھا (میاں شیخ نبی بخش م ۱۹۵۵/۱۲/۲۵) رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مرید ہونے کے لیے تشریف فرما ہوئے لیکن انہوں نے آپ کو مرید نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ جب عروس البلاد، قطب الارشاد لاہور آؤں گا تو حضور داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں یہ معاملہ پیش کروں گا، جو حکم ہوگا، تعمیل ارشاد ہوگا، چنانچہ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں حضور داتا صاحب کے مزار عالیہ پر تشریف حاضر ہوئے تو یہ مسئلہ پیش کیا اور پھر حضرت شیخ بڈھا کو بیعت کیا، حافظ شیرازی کیا خوب فرماتے ہیں:

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز رسم و راہ منزلہا

(۲۴۲)

☆ روحانیت کے قافلہ کے ہمراہ قطب زماں محمد یونس خان آفریدی (م یکم اپریل ۱۹۸۸ء) کافی منازل طے کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ ۱۱۔ اکتوبر کو راول ڈیم کے پیر صوفی بادشاہ قادری صابری نے حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے مزار کے روبرو آپ کو جلوس کی شکل میں لا کر ایک جم غفیر کے سامنے آپ کو چہار سلاسل نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کی خلافت سے سرفراز فرمایا اور لاہور کا نقشبندیہ سلسلہ کا خلیفہ مقرر فرمایا، خرقۂ خلافت عطا فرماتے ہوئے مذکورہ صوفی پیر بادشاہ صاحب نے حضرت صاحب کے مزار کو مخاطب کر کے عرض کیا ''حضرت! آپ گواہ ہیں اور کل خدا کے سامنے بھی میرے گواہ ہوں گے کہ میں نے اللہ پاک کے حکم سے محمد یونس خان آفریدی کو خلافت عطا کی''۔ حضرت داتا صاحب کی طرف سے باقاعدہ اثبات میں جواب ملا، اس بیعت کا ذکر اور خلافت نامہ کی نقل مؤرخہ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء کے امروز اخبار میں واضح طور پر شائع کی گئی۔ (۲۴۳)

☆ حضرت حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (۱۹۲۷ء۔۱۹۹۹ء) اپنی تصنیف اذکار جمیل یعنی حضرت سید برکت علی شاہ خلچیانوی کے مختصر سوانح حیات میں ارشاد فرماتے ہیں:

''آپ ابتداء ہی سے بہت زیادہ متقی، عابد، زاہد، اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے، غوث الثقلین حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو غایت درجہ عشق تھا، قادری خاندان کے اوراد و وظائف جو ''أبـا ا عـن جد'' آپ کے ہاں رائج تھے، وہ آپ کا معمول تھے، پھر آپ کو بیعت کا خیال پیدا ہوا تو حضرت شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہور کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر یہاں آنے والے مشائخ کرام کو ملتے رہے اور اکثر مراقبہ کیا کرتے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس شیخ طریقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، اس غرض کے لیے آپ کئی دفعہ لاہور آئے، چنانچہ یہاں سے حضرت میاں محمد شاہ چشتی نظامی فخری ہوشیار پوری کا دامن پکڑنے کا اشارہ ہوا۔ (۲۴۴)

بشارت پیدائش

مولانا مشتاق احمد انصاری نے خواب میں ایک مسجد دیکھی جس میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن انصاری کے دادا علی حسن صاحب تشریف فرما تھے، اس مسجد میں اولیاء کرام کا اجتماع تھا اور مشہور اولیاء کرام جیسے حضرت سیدنا غوث الاعظم، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت داتا گنج بخش اور حضرت نظام الدین اولیاء جلوہ فرما تھے اور یہ تمام حضرات علی حسن صاحب کے دامن میں گلاب کے پھول ڈال رہے تھے، مولانا مشتاق احمد انصاری بڑے حیران ہوئے کیونکہ ان کے خیال میں علی حسن صاحب اس درجۂ ولایت کے شخص نہ تھے کہ اولیاء کرام ان سے اتنا اچھا سلوک کرتے، اس کی وجہ دریافت کرنے کے لیے مولانا مشتاق انصاری مسجد کے دروازے کے باہر ہی انتظار کرنے لگے، جب اولیاء کرام باہر تشریف لائے تو مولانا مشتاق انصاری نے ان سے اس خصوصی کرم فرمائی کی وجہ دریافت کی، انہوں نے فرمایا کہ وہ سب علی حسن کو ان کے پوتے کی ولادت کی خوشخبری دینے آئے تھے جس کے وجود سے پوری دنیا میں خوشبوئے اسلام اس طرح پھیل جائے گی جس طرح گلاب کے پھولوں کی خوشبو پھیل جاتی ہے اور اس نومولود کا نام محمد فضل الرحمٰن ہوگا۔(۲۴۵)

صحت عطا فرمائی

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ بیمار ہو جانے کی صورت میں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے، مزارات پر جا کر صحت یابی کے لیے دعائیں مانگنا وقت کا ضیاع ہے لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے زندہ ہوں، یا وفات پا چکے ہوں، کی دعاؤں سے روزانہ ہزاروں لوگ مختلف قسم کی بیماریوں سے نجات پاتے ہیں بلکہ تاریخ کے صفحات میں بعض ایسی روایات بھی محفوظ ہیں کہ بزرگوں کی نگاہ کرم سے ایسے لوگ بھی صحت یاب ہو چکے ہیں جنہیں ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا۔

حضرت داتا صاحب کے مزار اقدس پر بھی بے شمار مریض حاضر ہوتے

ہیں، کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حاضری دینے سے معذور ہوتے ہیں اور گھر یا ہسپتال سے ہی توجہ فرمانے کے لیے عرض کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے اس پیارے بندہ کے صدقے میں ان مریضوں کو شفا عطا فرماتا ہے، ظاہر ہے کہ ان سب مریضوں کا تذکرہ کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس سلسلہ میں صرف چند واقعات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

☆ پروفیسر محمد عثمان، گورنمنٹ کالج لاہور اپنے ایک مضمون ''تصوف اور اسلام'' میں لکھتے ہیں:

کہ شیخ عبدالشکور جنہیں شیخ لاہور کہا جاتا ہے، اپنی تصنیف ''سبزہ بیگانہ'' میں رائے بہادر میلا رام کے بیٹے رائے بہادر رام سرن داس کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۱۸ء کے وبائی انفلوئنزا میں ان کے تینوں بیٹے اس مرض میں مبتلا ہو گئے، لاہور شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹر علاج کے لیے بلائے گئے مگر مرض روز بروز بڑھتا گیا حتیٰ کہ رام سرن داس بیٹوں کی زندگی سے مایوس ہونے لگے، باقی قصہ رائے بہادر رام سرن داس کی زبان سے سنیے:

''ایک رات ہم سوئے ہوئے تھے کہ کمرے میں کچھ آہٹ ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی کیا دیکھتا ہوں کہ سفید ریش بزرگ براق لباس پہنے ہوئے ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں تسبیح لیے میرے بیٹے گوپال داس کے پلنگ کے پاس کھڑے کچھ پڑھ رہے ہیں، انہیں دیکھ کر میں سہم گیا اور چیخ کر کہا کہ آپ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں، انہوں نے میری بات سن کر ان سنی کر دی اور دعا پڑھنے میں مشغول رہے، پھر وہ بزرگ میرے دوسرے بیٹے روپ رام کی چارپائی کے قریب گئے اور وہاں بھی دعا مانگی پھر تیسرے بیٹے کے پلنگ کے پاس جا کر بھی ایسا کیا۔ اس کے بعد وہ بزرگ مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے، میں تمہارا پڑوسی گنج بخش ہوں، مجھ سے تمہاری پریشانی دیکھی نہ گئی، اس لیے دعا کرنے کے لیے خود آ گیا ہوں۔ اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا دے گا۔''

شیخ صاحب نے لکھا ہے یہ قصہ رائے بہادر نے لاہور شہر کے جملہ مسلمان، ہندو اور سکھ احباب کو جمع کر کے سنایا اور پھر حضرت علی ہجویری کے مزار پر حاضر ہو کر

نذرانہ پیش کیا اور دربار میں پہلی بار بجلی کا انتظام عمل میں لایا گیا، اور اس واقعہ پر شیخ عبدالشکور کا مختصر تبصرہ یوں ہے کہ ایٹم اور میزائل کے اس زمانے میں ایسی باتیں نا قابل قبول ہوں گی مگر خاصانِ خدا سے ایسی ایسی محیر العقول باتیں اکثر ظہور پذیر ہوا کرتی ہیں اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

پروفیسر محمد عثمان لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بیان کرنے والے خدا کے فضل سے زندہ ہیں اور ان کے علم وفضل اور عقل و دانش کا اتنا شہرہ ہے کہ ان کی کہی ہوئی ہر بات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ (۲۴۶)

☆ ہمارے ایک عزیز بھارت سے لاہور آئے، لاہور میں اچانک وہ علیل ہو گئے، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، اور ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ میرے عزیز اب چند دنوں کے مہمان ہیں، میری والدہ صاحبہ بڑی پریشان ہوئیں، انہوں نے والد محترم کو کہا کہ حضرت میاں (علی محمد خان) صاحب قبلہ کو پاک پتن شریف سے فوراً بلاؤ، اگر یہ صاحب لاہور میں انتقال کر گئے تو عزیزوں میں سینکڑوں باتیں بنیں گی، والد محترم نے حضرت میاں صاحب قبلہ کو فون پر ساری صورت حال سے آگاہ کیا، آپ دوسرے دن صبح لاہور تشریف لائے، غریب خانے کو رونق بخشی، میرے عزیز کو دیکھا جس کی زندگی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، حضرت میاں صاحب قبلہ نے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور میری والدہ محترمہ سے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو، یہ اچھا ہو جائے گا، ہم داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی عرض کریں گے، اس کے بعد میرے والد محترم کو لے کر داتا صاحب چلے گئے، اس وقت حضرت میاں صاحب قبلہ کے چہرے پر بھی کچھ پریشانی کے آثار تھے، ان کے جانے کے چار گھنٹے بعد ہمارے عزیز کے پیٹ میں شدید درد شروع ہوا اور انہیں بیت الخلا لے جایا گیا، جہاں ان کے پیٹ سے دو فٹ لمبا ایک کیڑا نکلا اور ان کا درد کم ہونے لگا، یقین کیجئے کہ عصر کے وقت ہم اپنے عزیز کو لے کر جب حضرت میاں صاحب قبلہ کے حضور پیش ہوئے تو وہ اپنے پیروں پر چل کر وہاں گئے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کبھی بیمار ہوا نہیں، اس واقعہ کو ۱۷ سال کا عرصہ بیت گیا ہے اور وہ عزیز اب تک زندہ سلامت ہے اور دوبارہ کبھی علیل نہیں ہوا۔ (۲۴۷)

☆ پیر صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں لاہور میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ داتا صاحب جا رہا تھا، جب لوہاری دروازہ کے چوک میں پہنچا تو میرے دوست نے ایک معمر شخص کی طرف جو سرمہ بیچ رہا تھا، اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص حضرت داتا صاحب کی زندہ کرامت ہے، میں نے پوچھا، وہ کیسے؟ میرے دوست نے کہا، چلو اس شخص سے پوچھتے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں اس کے پاس پہنچے اور اس سے حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے عرض کیا تو اس نے کہا کہ میں آج سے ۲۵، ۳۰ سال پہلے بالکل اپاہج تھا لیکن جمعۃ المبارک ہمیشہ داتا صاحب ہی میں ادا کرتا، میرے بچے مجھے نماز سے پہلے پہنچا آتے اور نماز ختم ہونے کے بعد واپس گھر لے آتے۔ ایک دفعہ جب اقامت کہی جا رہی تھی تو میرے ساتھ کھڑے ہوئے ایک نورانی صورت بزرگ نے کہا، تم کھڑے کیوں نہیں ہوتے، میں نے عرض کیا کہ میں اپاہج ہوں، یہ سن کر بزرگ نے زور سے میرا بازو پکڑا اور کہا، اٹھو تم بالکل ٹھیک ہو، اس کے بازو پکڑنے کی دیر تھی کہ میں تندرست و توانا آدمی کی طرح کھڑا ہو گیا، جب فرائض کی ادائیگی کے بعد سلام پھیرا تو باوجود تلاش کے وہ آدمی نظر نہ آیا، اس وقت سے آج تک بالکل تندرست ہوں، سرمہ بیچ کر عزت کی روٹی کھاتا ہوں، ہاں اس محسن کو ابھی تک آنکھیں تلاش کر رہی ہیں۔ (۲۴۸)

شاہدرہ لاہور سے محمد جعفر قادری رقمطراز ہیں:

"میرے برادر اصغر محمد نواز کی دائیں آنکھ تین سال سے بند تھی، چھ ماہ قبل بائیں آنکھ سے بھی نظر آنا بند ہو گیا، ڈاکٹروں نے لا علاج قرار دے دیا، ٹاؤن شپ لاہور کے رحمت اللہ رفاہی ٹرسٹ میں پانچ چھ ڈاکٹروں سے معائنہ کرایا گیا تو انہوں نے تحریری سٹرٹیفکیٹ دیا کہ آنکھوں کے پیچھے نور نہیں ہے لہذا نہ اپریشن ہو سکتا ہے نہ کوئی اور علاج۔ جب ہم مایوس ہو کر واپس آ رہے تھے تو میرے مشورے پر بھائی نواز صاحب اور میں نے داتا دربار حاضری دی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے صدقہ سے آنکھیں ٹھیک فرما دے اور دیگ دینے کی منت بھی مانی، حاضری کے بعد چشمہ کا پانی پیا اور آنکھوں کو لگایا، جب ہم دونوں واپس آنے کے لیے

ویگن میں بیٹھنے لگے تو بھائی نواز نے کہا ’’بھائی جان! مجھے دونوں آنکھوں سے نظر آنا شروع ہو گیا ہے‘‘۔ اور بحمدہ تعالیٰ آج تک ان کی دونوں آنکھوں کی بینائی بالکل درست ہے۔(۲۴۹)

علمائے دیوبند بھی روحانی وجسمانی علاج کے سلسلہ میں حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، حکیم فیض رسول صدیقی رقمطراز ہیں:

’’حکیم محمد صادق اور دو افراد جن کے نام کی مجھے واقفیت نہیں، ان ہی تین افراد کو جناب یعنی حضرت اعلیٰ (مولوی اللہ یار خان چکڑالوی) نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داتا صاحب لاہور سے دریافت کرو کہ کیا میری یہ مرض علاج پذیر ہے، تو میں کس سے علاج کراؤں اور میرے لیے کون سا معالج بہتر رہے گا، ان تینوں افراد نے چند منٹ مراقبہ کیا تو کہا کہ داتا صاحب فرماتے ہیں کہ دو حکیم لاہور میں موجود ہیں، ایک اہلحدیث ہیں اور ایک اہل سنت کا، دونوں فن طب میں ماہر ہیں، آپ ان میں سے کسی سے بھی علاج کروائیں، اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ داتا صاحب بہت مختصر پسند ہیں لہذا آپ حضرات حضرت غوث بہاء الحق ملتانی سے دریافت کریں کہ میرے لیے کون معالج بہتر رہے گا کہ وہاں جا کر علاج کرواؤں، حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی جواب داتا صاحب والا دیا‘‘۔(۲۵۰)

گنج بخشی تیل

حاجی عبدالغفور صاحب شاد باغ لاہور بیان کرتے ہیں:

مئی ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے۔ فقیر لوہاری گیٹ رہتا تھا، ہمارے مکان کی چھت کے درمیان جنگلا (مگھ) تھا، میں چھت پر تھا۔ مگھ پر چادر تھی میرے ہاتھ میں پیتل کا لوٹا تھا، میں یہاں سے نیچے گرا، اور دائیں پسلیوں پر شدید چوٹیں آئیں۔ جب سانس لیتا، شدید ترین درد ہوتا، بہت علاج کیے افاقہ نہ ہوا۔ ڈاکٹر غلام قادر (م ۱۹۹۰ء) ہومیو پیتھ (شاہدرہ) آئے۔ ڈاکٹر صاحب ملک کے معروف طبیب جناب حکیم عبدالباسط

چشتی لاہور کے سسر تھے۔ یہ بہت نیک، روحانی شخصیت تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات ۱۹۵۵ء میں ہوئی۔ ہم روزانہ ملتے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کسی بہت بڑے ڈاکٹر سے علاج کراتے ہیں۔ میں نے کہا، ''بڑے ڈاکٹر'' کے پاس چلتے ہیں۔ لوہاری چوک آئے تو کہنے لگے کدھر جانا ہے؟

میں نے عرض کیا: بہت ہی بڑے ڈاکٹر بھاٹی چوک کے پاس ہیں۔

میری بات سن کر مسکرانے لگے اور اس طرف چل پڑے، دربار حضور داتا صاحب علیہ الرحمۃ پہنچ گئے۔ بعد وضو مراقبے میں بیٹھ گئے۔ فارغ ہو کر کہنے لگے داتا صاحب نے ایک نسخہ عطا فرمایا ہے:

لونگ، مگھاں، کُٹھ (قسط تلخ) اور سونٹھ، تمام اشیاء ایک ایک تولہ ہاون دستہ میں تھوڑا سا کوٹ لیں اور ایک پاؤ میٹھے تیل میں خوب پکائیں اور مالش کریں۔

واپسی پر یہ اشیاء لے کر گھر آیا۔ حسب ہدایت تیل تیار کیا ۱۵، ۲۰ دن مالش کی اور بالکل ٹھیک ہو گیا۔ بحمد اللہ ۳۲ سال ہو گئے کبھی درد نہ ہوا۔

اپریل ۱۹۹۷ء رہائش تبدیل کر کے شادباغ آ گیا، اس وقت تک میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو نہ جانتا تھا حالانکہ رہائش قریب ہی تھی۔

جون ۹۷ میں حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی اور پھر ہر روز بعد عصر حاضر خدمت ہوتا اگر نہ جاتا تو بلا لیتے۔ ۹۸ میں اس نسخے اور واقعہ کا حکیم صاحب سے عرض کیا۔ آپ نے اس نسخے کو تیار کر کے مریضوں میں مفت تقسیم کرنا شروع کیا۔

دعا ہے اللہ رب العزت حکیم صاحب قبلہ کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ اب میاں ریاض ہمایوں صاحب اور میاں زبیر احمد صاحب اس تیل کو مفت تقسیم کرتے ہیں۔ سنا ہے اس کا نام ''روغن گنج بخش'' رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

۱۹۸۲ء کا واقعہ ہے میرا شیرخوار نواسہ حمزہ سخت کھانسی میں مبتلا ہوا۔ روتے

روتے سانس اکھڑ جاتا۔ گھر والے روتے پیٹتے، مگر کچھ لمحے کے بعد دوبارہ سانس جاری ہو جاتا۔ گو جسمانی بیماری تھی علاج کیا افاقہ نہ ہوا۔ ایک روز ڈاکٹر غلام قادر صاحب سے کہا داتا صاحب چلتے ہیں، وہاں بعد مراقبہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: داتا صاحب فرماتے ہیں "حمزہ کا بھی کوئی کام ہے جو مجھے کہا ہے"۔

اس کے بعد حمزہ کو یہ تکلیف نہیں ہوئی۔

فروری ۱۹۹۰ء، ان کے وصال تک تقریباً روزانہ ملاقات رہتی، اکثر اکٹھے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جاتے اور بارگاہ داتا سے کچھ نہ کچھ عطا ہوتا رہتا۔ ایک روز ڈاکٹر صاحب کہنے لگے:

واہ داتا آپ واقعی خزانے بخشتے ہیں اور وہ خزانہ میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں:

سبحان اللہ و بحمدہ

اس کے بعد اپنی حاجت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام لگائیں مثلاً

سبحان اللہ و بحمدہ الرزاق (رزق کے لیے)

سبحان اللہ و بحمدہ الغفار (بخشش کے لیے)

ایک تسبیح کر لی جائے یا جتنا بھی پڑھ لیا جائے۔۔۔

(عبدالغفور ۱۵۔ اے سراج دین پارک نمبر ۲، شاد باغ لاہور، ۱۱ فروری ۲۰۰۴ء)

ہدایات

ضرورت پڑنے پر حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ اپنے عقیدت مندوں کو مختلف قسم کی ہدایات دیتے رہتے ہیں، عشاق ان احکامات کی بسر و چشم تعمیل کرتے ہیں، ان ہدایات سے متعلق چند واقعات نذر قارئین ہیں:

☆ بغداد سے ہندو پاکستان کے سفر کے دوران حضرت سخی شیر شاہ ولی (م ۱۶۰۴ء) نے مختلف مزارات کی زیارتیں کیں، حضرت داتا صاحب کے مزار اقدس

کی زیارت کے دوران آپ کو بشارت ہوئی کہ آپ یہاں سے پچاس میل مغرب کی جانب علاقہ گنجی بار میں جا کر تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیں، چنانچہ آپ ۱۵۸۲ء کو علاقہ گنجی بار (پتوکی) میں تشریف لائے۔ (۲۵۱)

☆ ایک دفعہ شہزادہ داراشکوہ نے اپنے دادا مرشد حضرت میاں میر قادری سے ذکر کیا کہ حضرت داتا صاحب کی درگاہ ملک پائیگاہ پر ون کا درخت ہے جس کی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں جو پوجا کی حد تک ہے، چنانچہ حضرت میاں میر قادری، داتا دربار حاضر ہوئے اور مراقبہ کیا، حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس ون کے درخت کو اکھاڑ کر یہاں ایک چھوٹا سا حوض بنوا دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، پہلے یہ حوض اس زمین کے برابر تھا مگر بعد میں نیچے سنگ مرمر کا ستون لگا لگا کر اسے بلند کر دیا گیا، یہ کام حاجی علی الدین صاحب نے خواب میں حکم ملنے کے بعد کیا تھا، جس کا پانی بطور تبرک سر اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ (۲۵۲)

☆ ایک دفعہ چوہدری غلام رسول ٹھیکیدار جس نے جناب داتا صاحب کی مسجد (پرانی مسجد) بنوائی تھی، شرقپور شریف اعلیٰ حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اسے مل کر بہت خوش ہوئے اور بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، میرا ابھی دل چاہتا تھا کہ اسے دیکھوں جس نے داتا صاحب کی مسجد بنوائی ہے۔ "حضرت صاحب قبلہ کا ارشاد سن کر گویا ہوئے" حضور! اس وقت نہیں دیکھا تھا جب داتا صاحب نے آپ کی موجودگی میں مجھے فرمایا تھا کہ "مسجد بنوا" اور پھر بیان کرنے لگا:

"میں اپنی کوٹھی میں رات کو سویا ہوا تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ داتا صاحب والی چھوٹی مسجد میں جمعہ ہو رہا ہے، خلقت اتنی تھی کہ خدا کی پناہ، لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ چلے آ رہے تھے، آپ داتا صاحب کے ساتھ کھڑے اس جم غفیر کو دیکھ رہے تھے جو کہ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جمع ہو رہا تھا، داتا صاحب مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے: "غلام رسول سن! میاں صاحب کیا کہہ رہے ہیں، یہ کہہ رہے ہیں کہ بابا صاحب دیکھو! جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں کیسے تنگ ہو رہے ہیں، آپ ولیوں کے بابا

ہیں اور مسجد اتنی چھوٹی سی۔ یہاں ایک بڑی ذی شان مسجد بنی چاہیے۔''

سو حضور! اس وقت آپ نے مجھے نہیں دیکھا تھا؟''

یہ سن کر حضرت صاحب قبلہ مسکرائے۔ (۲۵۳)

چوہدری غلام رسول نے خواب میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکم سن کر پرانی مسجد کو شہید کر کے نہایت اہتمام سے عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی تھی۔۔۔۔

نوٹ: یہ مسجد جس کا اوپر ذکر ہوا، مغلیہ طرز تعمیر بیل بوٹوں سے آراستہ تھی، یہ ابھی حال ہی میں شہید کر دی گئی ہے، ابھی جو حال میں ہی مسجد تعمیر ہوئی ہے جدید طرز کی خوبصورت وسیع و عریض مسجد ہے جس کا ماڈل ترکی طرز تعمیر کا ہے۔ (۲۵۴)

۱۹۳۶ء کے اواخر میں حضرت والا لاہور تشریف لے گئے، ظہر کے وقت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس کی زیارت کے لیے آستانہ عالیہ پہنچے، آپ کا طریقہ تھا کہ جس شہر میں داخل ہوتے، پہلے وہاں کے معروف بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتے، آپ نے مزار مبارک پر مراقبہ فرمایا، تو دل میں غیبی تقاضا ہوا کہ ابھی ابھی علامہ اقبال کی خدمت میں جائیے، اس زمانے میں حضرت علامہ جاوید منزل میں منتقل ہو چکے تھے، آپ ایک خادم کے ہمراہ اسی وقت جاوید منزل کے لیے روانہ ہو پڑے، مغرب سے تقریباً آدھ گھنٹہ قبل آپ جاوید منزل پہنچے، جونہی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے، آپ نے دیکھا کہ حضرت علامہ برآمدے میں کسی کی انتظار میں کھڑے ہیں، آپ نزدیک ہوئے اور سوچنے لگے کہ علامہ سے کس طرح اپنا تعارف کراؤں، اتنے میں حضرت علامہ نے خلاف معمول فرمایا، آیئے آیئے شاہ صاحب، میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں، یہ فرماتے ہوئے حضرت علامہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت والا نے دریافت کیا کہ حضرت! ذرا اس راز سے تو پردہ اٹھایئے کہ جان پہچان کے بغیر میرے انتظار اور تعارف میں کیا حکمت ہے، حضرت علامہ نے فرمایا، شاہ جی! بات کچھ نہیں، گزشتہ رات مجھے خواب میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی، انہوں نے آپ کی شکل دکھاتے ہوئے

مجھے فرمایا کہ مغرب کے وقت سلسلہ قادریہ کے ایک دردمند درویش کو تمہارے پاس بھجوا رہا ہوں، اس کا خیال رکھنا، آپ کی ٹوپی میرے لیے خاص نشانی تھی، آپ جونہی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے ہیں، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے تو میں صبح سے آپ کی انتظار میں تھا۔(۲۵۵)

حضرت داتا صاحب سے ملاقات

کئی خوش نصیب حضرات کو حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے جاگتے میں ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہے، ان میں سے بعض واقعات موقع کی مناسبت سے مختلف عنوانات کے تحت درج کر دیئے گئے ہیں، کچھ یہاں پیش خدمت ہیں:

☆ یہ واقعہ علامہ اقبال مرحوم کے خادم علی بخش نے مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کو سنایا، واقعہ یوں ہے کہ حضرت علامہ اقبال کے گھر پر رات دو بجے کسی نے دستک دی، خادم باہر نکلا کہ دیکھوں کون ہے، دیکھا تو ایک باریش بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ علامہ اقبال سے ملنا ہے، خادم نے علامہ اقبال کو اطلاع دی، علامہ اقبال اس وقت اپنے لاہور والے گھر میں پہلے ہی کسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ آپ اس سفید ریش بزرگ سے ملے، اس بزرگ نے فرمایا کہ مجھے لسی پلاؤ، علامہ اقبال نے خادم سے کہا کہ ایک جگ لسی لاؤ، خادم پریشان ہوا کہ یہ کیسی فرمائش ہے، دسمبر کی ٹھٹھرتی شب دو بجے لسی کہاں سے لاؤں گا، اتنی دیر میں علامہ اقبال نے جلال میں آ کر کہا کہ علی بخش جلد لسی لاؤ، علی بخش جگ لے کر باہر نکلا تو سڑک کے کنارے ایک گیس جل رہا تھا اور ایک شخص دہی کے کونڈے رکھے ہوئے تھا، علی بخش نے لسی کے لیے کہا تو اس شخص نے فوراً دہی سے لسی تیار کر دی اور اس میں برف بھی ڈالی، علی بخش حیران تھا کہ رات گئے لسی کس طرح مل گئی، گھر داخل ہوا اور اس بزرگ کو لسی پلائی، جب وہ بزرگ چلے گئے تو علامہ اقبال سے علی بخش نے پوچھا کہ وہ بزرگ کون تھے، آپ نے فرمایا، وہ سفید ریش والے بزرگ حضرت داتا صاحب تھے، نیز یہ بھی بتایا کہ دہی بیچنے والی ہستی میاں میر تھی۔ رحمۃ اللہ علیہم

علی بخش کہتا ہے کہ میں نے علامہ کی زندگی میں یہ واقعہ کسی کو نہیں بتایا (۲۵۶)

☆ حضرت صاحب شرقپوری قبلہ کی عادت تھی کہ جب کبھی لاہور داتا صاحب کی حاضری کے لیے جاتے تو مسجد کی محراب میں داتا صاحب کی طرف منہ کر کے بیٹھتے، وہاں سے سیدھی داتا صاحب قبلہ کے لوح مزار پر نگاہ پڑتی تھی، والد صاحب کو بھی آپ نے فرمایا کہ وہاں جا کر بیٹھا کرو۔

ایک دن سرکار تشریف لے گئے اور وہیں محراب میں جا بیٹھے، تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور روضہ پر تیسرے درہ میں جا کر کھڑے ہو گئے، والد صاحب بھی ہمراہ تھے، بتاتے ہیں کہ اندر سے آواز آرہی تھی ''آپ کی جوتی کی ایڑی کے ساتھ تھوڑی سی چیز لگی ہوئی ہے، اسے اتار دو'' ابھی یہ آواز آرہی تھی کہ میاں محمد حیات مرحوم مجاور ہار لے کر دوڑے آئے، جب آپ کے گلے میں ہار ڈالنے لگے تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا ''کیا میری پگڑی اتارنے آئے ہو'' اتنا کہہ کر آپ نے اپنی پگڑی زمین پر پٹخ دی اور باہر آ کر سر پر صافہ لپیٹ، ننگے پاؤں واپس چلے آئے، والد صاحب کا کہنا ہے کہ کچھ دنوں بعد انہوں نے حضرت صاحب قبلہ سے پوچھا کہ داتا صاحب کے ہاں کیا بات تھی، آپ فرمانے لگے ''ارے! تم کہاں تھے'' اور ساتھ ہی فرمایا ''کیا روضہ شریف کے اندر کوئی مزار ہے؟ اندر تو ایک تخت بچھا ہے اور داتا صاحب اس پر جلوہ فگن ہیں'' جوتی کی چیز کے متعلق فرمایا کہ ''داتا صاحب فرماتے تھے ''سید محمد کو ذرا پرے کر دو'' سید سید محمد شاہ سے حضرت صاحب قبلہ کو بڑی محبت تھی لیکن عشق حقیقی میں اتنی سی بات بھی گوارہ نہ کی جا سکی۔ (۲۵۷)

☆ شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری مخدوم علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر جمعرات کو حاضری دیا کرتے تھے، ایک دن حضرت داتا صاحب نے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری سے دربار شریف کی حدود کے باہر ملاقات کی، راز و نیاز کی گفتگو کرنے کے بعد حضرت میاں صاحب دربار شریف کی حاضری دیئے بغیر واپس جا رہے تھے کہ آپ کے ساتھیوں نے استفسار کیا کہ حضرت آپ تو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار شریف کی حاضری کے بغیر واپس جا رہے

ہیں، آپ نے فرمایا، اب دربار شریف میں جا کر اینٹوں کو سلام کرنا تو مقصود نہیں ہے جن کو سلام کرنے کے لیے آیا تھا، ان کو سلام ہو گیا۔ (۲۵۸)

☆ والد صاحب لاہور کاروبار کرتے تھے اور کبھی کبھی شرقپور شریف حضرت صاحب کی حاضری کے لیے آتے، ایک دن حضور کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "فضل الٰہی! داتا صاحب جایا کرو۔"

حالانکہ وہ ہر روز داتا صاحب کی حاضری کے لیے جایا کرتے تھے، والد صاحب کہتے ہیں، میں نے عرض کی "سرکار! ذرا واقفیت کرا دیں"۔

یہ سن کر آپ مسکرائے، جب وہ واپس لاہور پہنچے اور داتا صاحب گئے تو ان کا کہنا ہے "ابھی دروازہ میں ہی تھا کہ کسی نے کندھوں سے پکڑ، منہ پھیر اپنی طرف متوجہ کر لیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار کے تمام پردے درمیان سے اٹھ گئے ہیں، بہت دیر تک وہیں کھڑے رہے، عجیب کیفیت پیدا ہوئی اور وہیں باہر سے ہی واپس ہو لیے۔"

یہ تھا حضرت صاحب قبلہ کا تصرف اور نتیجہ واقفیت کرانے کا کہ منزل نے خود ہی راہرو کو کھینچ لیا اور مقصود نے خود ہی طالب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ (۲۵۹)

☆ وادی سون سکیسر میں ایک گاؤں کفری ہے، وہاں کے ایک بزرگ حضرت عبدالحمید صاحب خلیفہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی فرمانے لگے، ایک بار بڑی مدت کے بعد لاہور میں حضرت داتا گنج بخش کے دربار پر حاضری کا موقع ملا، فاتحہ خوانی کے بعد آپ کے مزار پرانوار کے ساتھ بیٹھ گیا، بڑی امید تھی، خیال تھا کافی دنوں کے بعد حاضری نصیب ہوئی ہے، خاص توجہ ہو گی مگر کیفیات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی، آخر مایوس ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، فاتحہ اجازت پڑھا اور چل پڑا، جب آزردہ خاطر خواجہ اجمیر کے حجرہ اعتکاف کے پاس سے گزر رہا تھا تو دائیں طرف سے آواز آئی، ساتھ تو آ رہا ہوں اور کیا چاہتے ہو، نظر گھما کر دیکھا، حضرت داتا صاحب کا چہرہ انور دائیں کندھے کے ساتھ تھا، کیا چمکیلی ریش مبارک تھی، انشراح صدر ہو گیا۔ (۲۶۰)

☆ ایک دفعہ حضرت حاجی احمد درویش قادری (م ۱۹۵۱ء) نے اپنے ایک

ارادت مند حاجی محمد شریف کو کہا کہ آپ کے جب تم لاہور جاؤ تو میرا خط لے جانا اور آستانہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش پر پیش کر دینا اور جو جواب آپ دیں، اس کی اطلاع مجھے کرنا، مرشد کے فرمان کے مطابق حاجی محمد شریف نے وہ خط آستانہ تک پہنچا دیا، ان کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد داتا صاحب تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ خط پڑھ کر سناؤ، چنانچہ جب میں نے خط سنایا تو انہوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ میں نے مرشد تک پہنچا دیا۔ (۲۶۱)

☆ حضرت مولانا حافظ محمد عبد اللہ بھرچونڈی شریف (م۱۳۴۶ھ) فرمایا کرتے تھے کہ ہر ولی کی ولایت کی ایک حد ہوتی ہے لیکن حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ناپیدا کنار سمندر ہیں، اقبال مرحوم نے فرمایا:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

آپ جب کبھی لاہور تشریف لے جاتے، پہلے زیارت کے لیے حاضری دیتے، ایک دفعہ دربار داتا صاحب پر زیارت کے لیے آپ حاضر ہوئے، کافی دیر بیٹھے رہے، جب واپس ہوئے تو گلی کے موڑ تک پچھلے پاؤں چلتے رہے، کسی نے پوچھا، حضور! اتنی رجع قہقری تو آپ نے کسی آستان پر نہیں فرمائی، آپ نے فرمایا، حضرت داتا صاحب رخصت کرنے کے لیے آ رہے تھے، میں پشت دے کر کیسے چلتا، جب آستان کی حد ختم ہوئی تو حضرت داتا صاحب الوداع فرما کر واپس ہوئے اور میں سیدھا چلنا شروع کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۲)

کرم نوازی

حضرت پیر علاؤالدین صدیقی نے واقعہ معراج النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا اور اس بھری محفل خانۂ خدا و پاکیزہ ماحول میں بڑی سچی سچی باتیں عرض کر رہا ہوں، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں لاہور میں سرکار داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور وہ اپنی قبر میں آلتی پالتی مارے قبر کے اندر تشریف فرما ہیں، قبر پر پردہ نہیں، حجاب نہیں، اس صورت حال میں مجھے خیال آیا کہ میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ گزارشات کروں تو آپ نے چشم کرم ذرا اٹھائی تو میں معاً محسوس کرتا ہوں کہ میں بھی اس قبر کے اندر ہوں اور جس طرح آپ کے سامنے کھڑا ہوں، اسی طرح میں آپ کے سامنے قبر میں پاؤں کی جانب ہاتھ باندھے خاموش کھڑا ہوں اور پیچھے محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد صاحب بھی نظر آ رہے ہیں۔

صبح ہوئی تو میری طبیعت فرحاں و شاداں تھی، بڑی کیفیت کے ساتھ میں نے اپنا لباس بدلا، وضو کیا اور دارالحدیث میں جانے کے لیے تیار ہوا، جب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا، ''حضور میں نے کچھ کہنا ہے''، آپ نے شفقت بھرے انداز میں فرمایا: ''بس رہنے دو''، میں نے پھر عرض کیا، ''حضور میں نے کچھ کہنا ہے''، فرمایا ''بس ٹھیک ہے'' میں نے جب تیسری مرتبہ کہا تو حضرت محدث اعظم فرمانے لگے ''یہی کہو گے نا کہ داتا صاحب کے سامنے کھڑے تھے اور میں پیچھے کھڑا تھا''۔ (۲۶۳)

داتا گنج بخش کہنا جائز ہے یا نہیں

مخالفین اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو ''داتا'' اور ''گنج بخش'' کہنا شرعی لحاظ سے درست نہیں۔

☆ آپ عرف عام میں ''داتا'' صاحب کے لقب سے معروف ہیں، حالانکہ یہ نام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہی فی الحقیقت داتا ہے، اس کے بغیر کوئی داتا نہیں، اسی طرح آپ گنج بخش کے عرف سے مشہور ہیں جبکہ آپ نے خود اپنی کتابوں میں اس لفظ کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنے سے روکا ہے۔ (۲۶۴)

☆ لوگ آپ کو داتا گنج بخش کے نام سے پکارنے لگے مگر آپ اپنی کتاب کشف الاسرار میں لکھتے ہیں کہ اے علی! خلق خدا تجھے گنج بخش کہتی ہے، حالانکہ تیرے پاس ایک دانہ تک نہیں، تو اس لقب کا خیال اپنے دل میں پیدا نہ کر اور یہ نہ سوچ کہ تجھے لوگوں میں کس قدر مقبولیت حاصل ہے، اگر تو نے ایسا خیال کر لیا تو گنہگار ہوگا۔ ''گنج بخش'' تو فقط وہی ایک پاک ذات ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اس کے ساتھ شرک نہ کرنا، اس کی ذات شرک سے پاک ہے، خدا وحدہٗ لاشریک ہے، اگر تو نے ایسا کیا تو سمجھ لے کہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ (۲۶۵)

آپ کی اس تحریر سے ۔۔۔۔ آپ کی سیرت کے وہ پہلو دکھائی دیتے ہیں جن سے متاثر ہو کر یہاں کے رہنے والوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور انہیں آپ سے اس قدر محبت بڑھی کہ آپ کے لیے فرط جوش میں ''داتا'' اور ''گنج بخش'' ایسے غیر اسلامی لفظ منہ سے نکالنے لگے۔ (۲۶۶)

☆ ویسے تو شرک پاکستان کے چپے چپے پر ہو رہا ہے مگر جس قدر وسیع پیمانے پر پنجاب کے دل لاہور شہر میں ہوتا ہے، اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی،

حضرت علی ہجویری (جنہیں لوگ داتا گنج بخش کہتے ہیں) کے مزار کی حیثیت وہی ہے جو مکہ میں ہبل کی تھی، ہبل مکہ میں مشرکین کا سب سے بڑا قاضی الحاجات بت تھا، مشکلات اور مصائب میں ہبل کی جئے پکارتے تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ اہل پاکستان کے لیے مرقد ہجویری اسی طرح قبلہ حاجات ہے جس طرح کہ اہل اسلام کے لیے بیت اللہ شریف، پاکستان کا شاید ہی کوئی سربراہ ہو گا جس نے کرسی اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے ہجویری کے مزار پر جبہ سائی نہ کی ہو۔ (۲۶۷)

اس موضوع پر ہم بالکل ابتداء میں بحث کر چکے ہیں نیز اس کے متعلق سنی اہل قلم نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں، تفصیلی مطالعہ کے خواہش مند حضرات مذکورہ کتب کا مطالعہ کر کے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں، یہاں ہم صرف یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ منکرین عظمت بزرگان دین بھی حضرت علی ہجویری کو ''داتا گنج بخش'' مانتے ہیں اور جب انہیں ''داتا گنج بخش'' تسلیم کرتے ہیں تو ''مشکل کشا'' ثابت کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

حضور علی ہجویری کو جو لوگ ''داتا'' کہتے اور مانتے ہیں، بعض کم فہم اور تنگ نظر لوگ ان پر بے دھڑک کفر و شرک کے فتوے لگا دیتے ہیں، خوف خدا سے بے نیاز اس قسم کے مفتیوں کو مشورہ دیتے ہوئے مودودی صاحب رقمطراز ہیں:

''باقی رہے ''داتا'' اور ''دستگیر'' کے الفاظ تو اگر کوئی شخص کسی کو ''داتا'' اور ''دستگیر'' کہتا ہے تو اس سے پوچھئے کہ اس کے ذہن میں اس کا مفہوم کیا ہے، اس کی بنا پر رائے قائم کیجئے، مجرد لفظ داتا یا دستگیر پر حکم نہ لگایئے، اگر وہ کوئی ایسا مفہوم بیان کرتا ہے کہ جس میں شائبہ شرک ہے تو اس سے کہیے کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن اگر وہ اس کی کوئی ایسی توجیہہ کر رہا ہے جس میں شائبہ شرک نہیں ہے تو خواہ مخواہ اس سے لڑنے جھگڑنے کی کوئی حاجت نہیں، ایسے الفاظ کے استعمال میں محتاط ضرور رہنا چاہیے لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر مناظروں کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔'' (۲۶۸)

جماعت اسلامی کے رسائل اور مرکزی رہنما حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو داتا گنج بخش کے لقب سے یاد کرتے ہیں مثلاً:

۱۱۔ جنوری ۱۹۶۰ء کو حکومت مغربی پاکستان نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنی تحویل میں لے کر ضلع لاہور کے تین اعلیٰ افسران پر مشتمل ایک مجلس انتظامیہ کی تشکیل کر دی ہے۔(۲۶۹)

☆ کیا حضرت داتا گنج بخش علی الہجویری شاہی قلعہ میں مدفون ہیں؟(۲۷۰)

☆ حضرت داتا گنج بخش ہجویری صاحب کشف المحجوب۔ ماہنامہ چراغ راہ کراچی۔(۲۷۱)

☆ عوام وخواص سب میں ''گنج بخش'' یا ''داتا گنج بخش'' کے نام سے مشہور ہیں۔(۲۷۲)

سدا رہے آباد رہے بھائی داتا کا دربار
خوابیدہ جذبوں کو جگائیں باہو کے اشعار

غافل کرنالی (۲۷۳)

علمائے دیوبند بھی حضرت علی ہجویری کو ''داتا گنج بخش'' کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، ان میں مجلس احرار کے معروف راہنما جانباز صاحب (۲۷۴)، دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم قاری محمد طیب صاحب (۲۷۵) مولوی عبد الماجد دریابادی خلیفہ مولوی اشرف علی تھانوی (۲۷۶) مولوی اشتیاق احمد دیوبندی (۲۷۷) مفتی ولی حسن ٹونکی (۲۷۸)، پروفیسر سید محمد عبد الرشید (۲۹۷) اور قاضی محمد زاہد الحسینی (۲۸۰) وغیرہم شامل ہیں۔

علاوہ ازیں مولوی محمد حبیب الرحمٰن خان میواتی نے اپنی کتاب ''تذکرہ صوفیائے میوات'' (جو کہ مشہور متعصب دیوبندی مولوی نفیس الحسینی کی تائید اور پیش لفظ کے ساتھ لاہور سے شائع ہوئی ہے) میں علاقہ میوات کے قصبہ ہتھین (ضلع گوڑگانوہ) کے گاؤں کھیڑلی کے ایک بزرگ ''داتا گلاب شاہ'' کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں انہیں دس مرتبہ ''داتا'' لکھا ہے۔(۲۸۱)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کشف الاسرار حضرت علی ہجویری داتا گنج

بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے یا نہیں اس بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں جنہیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

☆ امتدادِ زمانہ سے اب داتا صاحب کی کتابوں میں صرف کشف المحجوب اور کشف الاسرار ہی باقی بچی ہیں۔(۲۸۲)

☆ داتا صاحب کی ایک اور کتاب ''کشف الاسرار'' چھپ چکی ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ''کشف الاسرار'' بعض وجوہات کی بناء پر داتا صاحب کی کتاب نہیں قرار دی جا سکتی، ویسے داتا صاحب نے اس نام کی کتاب لکھی ضرور تھی (۲۸۳)

☆ یہ شعر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل ..کاملاں را رہنما

بعد میں بہت زیاد مشہور ہوا اور آج تک لوگوں کی زبان پر ہے، عام خیال یہ ہے کہ اس شعر کی وجہ سے داتا صاحب گنج بخش کے نام سے مشہور ہوئے لیکن یہ خیال درست نہیں ہے، آپ بے حد فیاض واقع ہوئے تھے بلکہ ایک بار عراق میں لوگوں کی مالی امداد کرتے کرتے خود مقروض بھی ہو گئے تھے، علاوہ ازیں آپ نے روحانی دولت کے خزانے بھی لٹائے، اس لیے وہ اپنی زندگی ہی میں گنج بخش کے نام سے مشہور ہو گئے تھے، داتا صاحب اپنی کتاب کشف الاسرار میں لکھتے ہیں:

''اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے اور تو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا، اس بات کا خیال تو اپنے دل میں نہ لا کہ لوگ تجھے گنج بخش کہتے ہیں، یہ محض دعویٰ اور غرور ہو گا، گنج بخش تو وہی ذات پاک ہے، اس کے ساتھ شرک نہ کرنا ورنہ تیری زندگی تباہ ہو جائے گی''۔

اس عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔(۲۸۴)

کشف الاسرار کی درج بالا عبارت پر تبصرے

الف: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے لیے اس لقب کو پسند نہ فرماتے تھے اور آپ کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ آپ خود کو خبردار کرتے تھے کہ لوگوں کے کہنے سے خود کو گنج بخش نہ سمجھنے لگنا اور نہ اس پر غور کرنا کیونکہ دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ہے۔(۲۸۵)

ب: اس عبارت سے ایک طرف تو اللہ کے اس محبوب بندے کی انکساری ظاہر ہوتی ہے تو دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے اس وقت کے عوام بھی آپ کو گنج بخش کے لقب سے یاد کرتے تھے۔(۲۸۶)

☆ بعض نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کشف الاسرار کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں اس لقب (داتا گنج بخش) سے مشہور ہو گئے تھے۔(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع: مقالات دینی:۲۲۲)، درست قرینہ یہ ہے کہ آپ برصغیر میں آمد کے ساتھ ہی اس لقب سے مشہور ہو گئے تھے اور یہ شہرت تواتر سے صدیوں کا فاصلہ طے کرتی ہوئی آج تک پہنچتی ہے، چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی کا مشہور شعر جو زبان زد خلائق رہا ہے، یہ ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(۲۸۷)

☆ اکثر محققین کے نزدیک کشف الاسرار کا انتساب صحیح نہیں ہے۔(۲۸۸)

☆ موجودہ تحقیق کے مطابق اس کتاب کو وضعی قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر کشف المحجوب میں نہیں ہے۔(۲۸۹)

☆ "کشف الاسرار" نام کی کتاب بھی آپ کی طرف منسوب ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ انتساب بالکل جعلی ہے، اگر اس نام کی کوئی کتاب تھی بھی تو دیگر کتب کی طرح ضائع ہو چکی ہے، لہذا بازار میں اس نام سے فروخت کی جانے والی

کتاب حضرت داتا گنج بخش کی تصنیف قطعاً نہیں ہے۔(۲۹۰)

☆ بعض لوگوں نے کشف الاسرار (منسوب) کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی زندگی میں ہی ''گنج بخش'' کہا جانے لگا تھا اور آپ نے اس لقب کو ناپسند فرمایا تھا مگر ہمارے نزدیک یہ استدلال بالکل لغو اور غلط ہے کیونکہ ''کشف الاسرار'' حضرت علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہی نہیں بلکہ ایک جعلی اور منسوب کتاب سے حوالے پیش کرنا تحقیق سے بہت دوری ہے۔(۲۹۱)

☆ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں پیش کیے گئے خیالات کو کشف المحجوب کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا ہے تاہم دونوں میں اختلافات بھی موجود ہیں، انداز بیان کا فرق بھی موجود ہے، اس بناء پر سید علی ہجویری کے تین ممتاز جدید نقادوں اور تذکرہ نگاروں پروفیسر شیخ عبدالرشید، ڈاکٹر ظہور الدین احمد اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے کشف الاسرار کو غیر مستند قرار دیا ہے، اس نتیجے کی تردید کرنے والوں میں شریف کنجاہی اور نسیم چوہدری قابل ذکر ہیں، بہرطور اگر کشف المحجوب کو معیار قرار دیا جائے تو کشف الاسرار کو مستند تصور کرنا محال ہو جاتا ہے۔(۲۹۲)

☆ کشف الاسرار کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ کتاب کسی بد خصلت ناشر نے حضرت داتا صاحب کے نام سے مالی فائدہ اٹھانے کے لیے شائع کی ہے اور بعد میں دوسرے لوگ غلط فہمی یا تجارتی فائدہ کی بناء پر اسے شائع کرتے رہے، حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس سلسلے میں دوٹوک بات کرتے ہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں پرزور الفاظ میں کہا ہے کہ یہ کتاب حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اگر یہ کتاب حضرت داتا صاحب کی لکھی ہوئی ہوتی تو کشف المحجوب میں اس کا ذکر ضرور فرماتے، جس طرح آپ نے اپنی دوسری کتابوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔

اس کے علاوہ دونوں کتابوں کا جن لوگوں نے ناقدانہ انداز سے مطالعہ کیا

ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے لب ولہجہ، زبان اور اسلوب میں نمایاں فرق ہے اور کشف الاسرار میں بعض سطحی باتیں درج ہیں جن کو حضرت داتا صاحب کی بنیادی صوفیانہ تعلیمات سے منسوب کرنا ان کے مطالعہ اعتقادات اور صوفیانہ نظریات کی نفی کے مترادف ہے اور جن بدعتوں کی حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں میں مذمت فرمائی ہے، انہیں کشف الاسرار میں اہمیت دی گئی ہے، اور منطقی طور پر ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت داتا صاحب ایک کتاب میں کسی اصول کو مسترد کر دیں اور دوسری میں اس کی تائید کریں، چنانچہ کشف الاسرار کو حضرت داتا صاحب کی تصنیف قرار دینا انتہائی غیر مناسب ہے۔(۲۹۳)

ہماری ذاتی رائے میں کشف الاسرار حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی اور نے لکھ کر ان سے منسوب کر دی ہے، یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے، اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مثال دی جا سکتی ہے جنہیں اپنا بزرگ ثابت کرنے کے لیے مخالفین اہل سنت نے کئی کتابیں خود لکھ کرانہیں ان کا مصنف ظاہر کر کے شائع کر دی ہیں۔

کشف الاسرار نامی کتاب چونکہ حضرت داتا صاحب کی تصنیف نہیں ہے، اس لیے اس کا کوئی بھی حوالہ حجت نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ "داتا گنج بخش" کب اور کیسے مشہور ہوئے، مفتی غلام سرور لاہوری فرماتے ہیں:

"خواجہ بزرگ معین الدین چشتی قطب الہند فرید الدین گنج شکر قدس سرہم جیسے اولیائے کبار اور مشائخ نامدار آپ کے مزار پر انوار سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں، یہ بزرگ ایک عرصہ تک اس مزار پر خلوت گزیں رہے، اب تک حضرت خواجہ بزرگ کا خلوت کدہ آپ کے مزار کے پہلو میں موجود ہے اور حضرت خواجہ فرید کا مقام چلہ کشی اب تک موجود ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری حصول

مقاصد کے بعد قطبیت ہندوستان کی خلعت سے سرفراز ہوئے تو آپ حضرت کے مزار گوہر بار پر حاضر ہوئے، رخصت کے وقت آپ کے مزار کی طرف منہ کر کے فرمایا:

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را راہنما

اسی دن سے آپ کا لقب گنج بخش ہجویری مشہور ہوا ہے۔(۲۹۴)

اکثر اہل قلم یہی نقل کرتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مذکور شعر کی وجہ سے حضرت علی ہجویری نور اللہ مرقدہ گنج بخش مشہور ہوئے۔(۲۹۵) لیکن جناب احمد مصطفٰی صدیقی راہی اس شعر کے متعلق کہتے ہیں کہ:

''شعر کی ترکیب پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترکیب ہی غلط ہے، اس لیے وہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر نہیں ہوسکتا، اس اعتبار سے پھر یہ بات بھی نہیں تسلیم کی جا سکتی کہ آپ خواجہ کے شعر سے گنج بخش مشہور ہوئے۔

ہوسکتا ہے، یہ کسی غیر معروف شاعر کا شعر ہو مگر شعر کی روشنی میں بھی یہ بات قطعی اور حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ آپ لوگوں میں پہلے ہی سے ''گنج بخش'' مشہور تھے ورنہ شاعر کا ذہن کیونکر اس ترکیب کی طرف جاتا اور اسے اپنے شعر میں باندھتا''۔(۲۹۶)

حضور علی ہجویری قدس سرہ کو داتا گنج بخش کے لقب سے کیوں یاد کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں چند مزید اہل علم کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں:

☆ حضرت اشرف المشائخ مولانا غلام قادر اشرفی چشتی قادری ضیائی (م۱۹۷۹ء) لفظ ''گنج بخش'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''گنج بخش'' کا مطلب ہے خزانے بخشنے والا۔ داتا صاحب نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو روحانی فیض کے خزانے بخشے، اس لیے آپ کا لقب داتا گنج بخش مشہور ہو گیا، حالانکہ آپ کا نام علی تھا۔ آپ محلہ ہجویر شہر غزنی کے رہنے والے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر ہی میں حاصل کی اور پھر دنیا کی سیر و سیاحت کی۔

جس شہر کوئی بزرگ یا عالم دیکھتے اس سے تعلیم اور فیض حاصل کرتے۔ آخیر لاہور میں آ کر خدا اور رسول ﷺ کا پیغام لوگوں کو پہنچانے لگے۔ تمام زندگی اسی دینی خدمت میں گزار کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک مدت گزرنے تک ان کی شہرت اور عزت کا سورج چمکتا رہا اور جب تک دنیا باقی رہے گی اسی طرح چمکتا رہے گا اور آپ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے رہیں گے۔ دنیا کے بادشاہ ملک فتح کر کے سامان جمع کرتے ہیں اور ان کا نام ان کی زندگی تک ہے، لیکن اللہ کے دین کی خدمت کرنے والے بزرگ لوگوں کو نیک باتوں کی ہدایت کرتے ہیں اور ان کی عادتیں سنوارتے ہیں۔ ان کا رشتہ خدا سے جوڑتے ہیں ہر شخص ان کا ادب کرتا ہے۔ (۲۹۷)

☆ گنج بخش کے الفاظ سے شاید کچھ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی بڑا خزانہ تھا، سیم و زر کے انبار تھے جنہیں وہ آنکھیں بند کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے، اگر وہ یہی کرتے تھے تو ان میں اور بادشاہوں میں کیا فرق ہے، پہلے زمانے میں بادشاہ بھی تو موقع بہ موقع اپنے خزانوں کے منہ کھول دیا کرے تھے۔

اصل میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جس خزانے کو لٹاتے تھے اور تقسیم کرتے تھے، وہ علم و عمل اور رشد و ہدایت کا خزانہ تھا۔ (۲۹۸)

☆ سب سے اول آپ نے مسجد تعمیر کی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، لوگ بھاری تعداد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے فیض حاصل کرتے، آپ کا علمی اور روحانی فیض چونتیس برس تک یہاں جاری رہا۔ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ علم و عرفان کی دولت سے بہرہ ور ہو گیا، اس فیضان عام کے باعث آپ کا لقب ''گنج بخش'' مشہور ہو گیا۔ (۲۹۹)

☆ حضرت خواجہ چشتی نے یہاں چلہ کاٹا اور بے پایاں فیض پایا، اس کا اظہار اپنے مشہور شعر میں کیا، انہی نے سب سے پہلے حضرت کو گنج بخش یعنی خزانے بخش دینے والے کہا۔ داتا کے معنی سخی کے ہیں، قطب الدین ایبک کو لکھ داتا کہا جاتا

تھا، ہندی کی مشہور مثل ہے، داتا دان کرے، بھنڈاری کا پیٹ پھٹے، یعنی سخی سخاوت کرتا ہے اور تقسیم کرنے والے کا مارے حسد کے پیٹ پھٹتا ہے، دینے والا دیتا ہے اور بانٹنے والا، جو اپنے پاس سے نہیں دیتا، صرف سخی کے دیئے ہوئے سے مال کو تقسیم کرتا ہے، اسے خواہ مخواہ تکلیف ہوتی ہے، یہاں بھی داتا سخی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۳۰۰)

☆ عظیم حاصلات کی بناء پر ہی وہ گنج بخش کہلاتے ہیں، یہ لقب ان کی روحانی و مادی عظمت، مقبولیت اور عوام کی ان سے عقیدت کا نشان ہے، اس لقب کے بارے میں بہت سی توجیہات پیش کی گئی ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ ایسا نام ہے جو ''بلا تحقیق غیر معمولی اثر و نفوذ کی شخصیت کو دے دیا جاتا تھا'' (۳۰۱)

ہماری رائے میں درج ذیل محققین کی یہ تحقیق درست معلوم ہوتی ہے کہ:

☆ لقب گنج بخش بہت بعد میں معروف ہوا ہے، ہمارے علم میں اس وقت تک قدیم ترین مصنف جس نے سب سے پہلے گنج بخش لکھا ہے وہ محمد قاسم عبرت لاہوری مصنف عبرت نامہ (بسال ۱۱۳۵ھ) ہے (عبرت نامہ قلمی ذخیرہ آذر) (۳۰۲)

☆ کشف الاسرار پر اعتماد کرنے والے مؤلفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شیخ علی ہجویری اپنی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب ہو گئے تھے مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے، حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے، مفتی غلام سرور لاہوری نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ نے انہیں گنج بخش کہا، قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔ (۳۰۳)

اس بحث سے معلوم ہوا کہ جدید تحقیق کے مطابق ''کشف الاسرار'' حضرت علی ہجویری قدس سرہ کی تصنیف نہیں ہے، اس لیے اس کا حوالہ دے کر کوئی اعتراض کرنا درست نہیں، مخالفین کے بعض دیگر اعتراضات پر تبصرہ کرتے ہوئے اہل سنت کے سرکردہ راہنما فرماتے ہیں:

☆ ایک مرتبہ گفتگو کے دوران ایک وہابی مولوی نے (صوفی محمد اللہ دتا نقشبندی مجددی سے) کہا کہ آپ تو داتا صاحب قدس سرہ کو بہت مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور ہماری باتیں سنتے ہیں تو ایسے کرو کہ میری قمیص کو داتا صاحب سے بٹن لگوادو، میں بھی مان لوں گا کہ واقعتاً داتا زندہ بھی ہے اور سنتا بھی ہے، آپ نے فوراً فرمایا، اے بد بخت! یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ حی و قیوم اور سمیع و بصیر ہے اور تمہارا دعویٰ بھی ہے کہ تم ہر بات ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ سے کرتے ہو اور سب کچھ اسی سے مانگتے ہو، اس لیے تم ایسا کرو کہ سوئی میں دھاگا اللہ تعالیٰ سے ڈلوادو، قمیص کو بٹن داتا صاحب علیہ الرحمۃ سے میں لگوادوں گا۔ یہ جواب سن کر وہابی مولوی بغلیں جھانکنے لگا اور اس سے اس بات کا کوئی جواب نہ بن سکا۔ (۳۰۴)

☆ ۲۳ دسمبر ۱۹۹۴ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں خبر شائع ہوئی کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے مزار سے دو کروڑ ۱۷ لاکھ ۳۲ ہزار روپے حاصل ہوئے ہیں، اب بھی اگر کوئی داتا کو داتا نہ مانے تو یہ اس کی حماقت ہے، ویسے داتا صاحب کی کرامت ہے کہ نہ ماننے والوں سے ''داتا گنج بخش'' منوالیا اور لکھوالیا، چنانچہ غیر مقلدین حضرات کے سردار مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے اخبار اہلحدیث امرتسر میں داتا گنج بخش لکھا، دیوبندی حضرات کے مولوی قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب ''عالم برزخ'' میں داتا گنج بخش لکھا ہے اور روایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ الفاظ مولوی اشرف علی تھانوی کے منہ سے بھی نکلے ہیں۔

اسی طرح سفرنامہ لکھنؤ دہلی میں بھی ہے، نامعلوم دیوبندی، وہابی حضرات کو داتا کے لفظ سے کیوں چڑ ہے، ویسے جو وہ وجہ بیان کرتے ہیں، وہ یہ ہے، داتا صرف اللہ ہی ہے لہذا یہ صفت کسی مخلوق میں ماننا شرک ہے، ہم کہتے ہیں کہ واقعی داتا صرف اللہ ہی ہے مگر علی ہجویری کو اللہ تعالیٰ نے ہی داتا بنایا ہے، اللہ وہ داتا ہے جس کو کسی نے داتا نہیں بنایا مگر علی ہجویری قدس سرہ وہ داتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے داتا بنایا ہے، اگر پھر بھی چڑ ہے اور اس پر متفق نہیں تو پھر دیوبندی اور وہابی علماء کو مولانا کہنا اور لکھنا

چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ قرآن پاک کے تیسرے پارہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت مولٰنا ہے، وہ آیت یہ ہے:

﴿أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ﴾

اس میں مولٰنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر وہابی دیوبندی حضرات اپنے علماء کے نام کے ساتھ مولٰنا لکھتے ہیں، ہم پوچھتے ہیں کہ مولویوں کو مولا تو مان لیتے ہیں مگر حضرت علی ہجویری علیہ الرحمۃ جو ان کے نزدیک بھی مسلمہ اولیاء اللہ سے ہیں ان کو داتا کہنے سے کیوں چڑ ہے۔(۳۰۵)

☆ دواخانہ حکیم محمد صدیق فیصل آباد کی طرف سے نجدی وہابی مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک اشتہار شائع کیا گیا ہے جس میں بعض آیات مبارکہ کے ترجمہ سے دھوکہ دیا گیا ہے جس میں بعض آیات مبارکہ کے ترجمہ سے دھوکہ دیا گیا ہے اور آخر میں یہ نتیجہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ''قرآن مجید کی گواہی سے معلوم ہوا کہ اسباب کے بغیر داتا، مشکل کشا، دستگیر، غریب نواز، گنج بخش اور غوث اعظم صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ الخ''

محبوبانِ خدا کی بے ادبی و گستاخی کے باعث جونکہ نجدی، دیوبندی، وہابی ذہنیت پر نحوست و پھٹکار پڑ چکی ہے، اس لیے اپنے اندرونی مرض کے سبب وہ ''کلام اللہ کو بھی اولیاء اللہ'' کی شان کے خلاف استعمال کرتے اور قرآن کے نام پر تحریف و خیانت کا ارتکاب کر کے مخلوق خدا کو دھوکہ دینے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ قرآن فہمی سے محروم ہیں۔

محبوبان خدا کے جن اسماء وصفات کا انکار کیا گیا ہے، وہ صدیوں سے اہل اسلام میں معمول ومقبول ہیں اور مسلمہ بزرگان دین وسلف صالحین نے کبھی ان کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی ان کے متعلق شرک وکفر کا ہوا دکھایا ہے، علی المرتضیٰ مشکل کشاء ہیں، پیران پیر گیارہویں والے پیر غوث اعظم اور پیر دستگیر ہیں، داتا گنج بخش فیض عالم مشہور ہیں، سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیری غریب نواز ہیں، سب اہل

اسلام جانتے ہیں، انہیں القاب، و اوصاف سے انہیں یاد کرتے ہیں اور ان القاب کے استعمال سے انہی حضرت کی شخصیات مراد لیتے اور ان کا تصور کرتے ہیں اور یہ محبوبان خدا ایسے اسم بامسمیٰ ہیں کہ صدیاں گزرنے کے باوجود ان کی قبور مقدسہ و مزارات شریفہ بھی انہی القاب وصفات کی مظہر ہیں، ان کا فیض مسلسل جاری ہے۔

نجدی حکیم کی پہلی شکست یہ ہے کہ اس نے لکھا ہے کہ ''اسباب کے بغیر داتا وغوث وغریب نواز و دستگیر و گنج بخش اور مشکل کشاء صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے'' ہم کہتے ہیں کہ اس نے جو آیات مبارکہ نقل کی ہیں، ان میں بغیر اسباب کی کوئی قید و شرط نہیں ہے، پھر نجدی حکیم کو من مانی کرنے اور ڈنڈی مارنے کا حق کس نے دیا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ نجدی حکیم نے لکھا ہے کہ بغیر اسباب کے سب کچھ صرف اللہ کی ذات ہے، جس سے ثابت ہوا کہ اسباب کے ساتھ اور اسباب کے تحت نجدی حکیم کے بقول بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے لہذا جس طرح نجدی حکیم کے بقول سب کچھ ہوسکتا ہے، اسی طرح اللہ کے فضل وعطا سے اولیاء اللہ بھی داتا وغوث و غریب نواز و دستگیر و گنج بخش اور مشکل کشاء ہوسکتے ہیں، جس طرح اسباب کے تحت یہ سب کچھ ماننا شرک نہیں، اسی طرح خدا کے فضل وعطا سے مجازی طور پر یہ سب کچھ ماننا بھی شرک نہیں، اسے شرک سمجھنا اور صرف اور صرف اللہ کی ذات سے خاص کرنا نجدی جہالت وضلالت ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں حکیم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو کہا گیا ہے تو پھر صدیق نجدی اپنے آپ کو حکیم کیوں لکھتا ہے اور کہلاتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کے باوجود اللہ کی عطا سے مجازاً صدیق نجدی حکیم ہوسکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی عطا سے محبوبان خدا کے وہ القاب و اوصاف کیوں نہیں ہوسکتے جن کا نجدی حکیم نے انکار کیا ہے جبکہ داتا وغوث، غریب نواز و دستگیر، گنج بخش و مشکل کشاء نہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے نام بیان کیے گئے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں یہ نام لکھے ہیں۔

لطیفہ

نجدی وہابی گنج بخش وداتا کی نفی کرتے ہیں اور اسے شرک سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اسماء الٰہی میں درج نہیں جبکہ علی اللہ تعالیٰ کا قرآنی نام ہے مگر نجدی وہابی اپنی جہالت کے باعث ''علی ہجویری'' کہنا جائز سمجھتے ہیں جو اللہ کا نام ہے، مگر داتا گنج بخش کہنے سے روکتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

الٹی عقل کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دے آدمی کو موت پر یہ بد ادا نہ دے

جن آیات مبارکہ کے حوالہ سے نجدی حکیم نے دھوکہ دیا ہے اور محبوبان خدا کے القاب واوصاف کا انکار کر کے شان ولایت وکرامات وتصرفات اولیاء کرام علیہم الرضوان سے عداوت وشقاوت کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی کچھ تفصیل بھی ملاحظہ ہو، غوث اعظم کی نفی کرتے ہوئے یہ آیت لکھی ہے:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَءِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾(سورۃ النمل:٦٢)

''کون ہے جو بے قرار کی سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے، اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی الٰہ بھی ہے، بہت کم نصیحت پکڑتے ہیں۔''

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکوں، بت پرستوں کا رد ہے جو اللہ کے الٰہ ومعبود اور وحدہ لاشریک ہونے پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اپنے خودساختہ معبودوں اور بتوں کو الوہیت میں شریک سمجھ کر ان سے فریادیں کرتے تھے۔

الحمد للہ ہر مسلمان چونکہ اللہ وحدہ لاشریک کو معبود برحق مانتا ہے، محبوبان خدا کو ہرگز الوہیت میں شریک نہیں ٹھہراتا، اس لیے مشرکوں اور بتوں کی مذمت میں نازل شدہ آیات مبارکہ کو محبوبانِ خدا اور صحیح العقیدہ مسلمانوں پر چسپاں کرنا سراسر غلط اور ظلم وزیادتی ہے، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج ودیابنہ

وہابیہ جیسے ایسے غلیظ و غلط ذہنیت کے لوگوں کو شرار خلق اللہ بدترین شریر مخلوق قرار دیتے تھے۔ (بخاری شریف جز ۴ر ۷ ۱۹ باب قتل الخوارج والملحدین)

جہاں تک بے قرار کی فریاد سننے اور اس کی تکلیف رفع کرنے کا تعلق ہے، بے شک حقیقی و ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ ہی فریاد سنتا اور تکلیف رفع کرتا ہے لیکن جس طرح یہ عقیدہ رکھتے ہوئے وسیلہ و اسباب کے طور پر تکلیف و بیماری و ضرورت و مصیبت کے وقت والدین حکیم و ڈاکٹر، دکاندار اور افسران و اغنیاء کے پاس جا کر، ان سے سوال کرنا، حاجت روائی و مشکل کشائی چاہنا شرک نہیں، اسی عقیدہ صحیحہ کے تحت اولیاء اللہ و بزرگان دین و محبوبان خدا کو اللہ کے فضل و عطا سے مشکل کشا و غوث اعظم، داتا گنج بخش اور دستگیر و غریب نواز سمجھنا اور وسیلہ و اسباب کے طور پر ان کے ہاں حاضر ہونا نہ ہی شرک و کفر ہے اور نہ ہی آیت مبارکہ کے خلاف ہے جیسا کہ نجدی حکیم خود تسلیم کر چکا ہے کہ اسباب کے ساتھ اور اسباب کے تحت یہ سب کچھ ماننا اور جاننا نہ شرک ہے نہ آیت مبارکہ کے خلاف ہے۔۔۔۔

آیت مبارکہ نے خود اپنی وضاحت فرما کر نجدی وہابی ذہنیت کا رد فرما دیا اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے''۔

اور یہ وہی بات جس کی ہم نے پہلے تفصیل بیان کر دی کہ اللہ کے فضل و عطا سے بندگان خدا و محبوبان الٰہی کے وہ القاب و اوصاف جائز ہیں جن کا نجدی حکیم نے انکار کیا ہے جیسا کہ یہاں فرمایا:

''اور کون ہے جو تمہیں خلیفہ بناتا ہے''

اور ظاہر ہے جس کو خدا خلیفہ بنائے گا، وہ حکمران و مختار و متصرف ہوگا اور مخلوق خدا عطاء الٰہی سے خلیفہ وسیلہ بننے والے کے پاس اپنے مسائل و حاجات لے کر ضرور حاضر ہوگی لہذا شرک کا ازالہ اور نجدی وہابی ذہنیت کا صفایا ہو گیا۔ (۳۰۶)

روزنامہ نوائے وقت ''نور بصیرت'' کے کالم نگار میاں عبدالرشید مرحوم سے

ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے معروف صحافی خواجہ اسلم کاشمیری لکھتے ہیں:

''میاں عبدالرشید سے پہلی ملاقات ۱۹۷۱ء یا ۱۹۷۲ء میں ہوئی تھی۔۔انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے والد بزرگوار اہلحدیث تھے۔۔۔حالانکہ وہ خود سنی بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔انہوں نے لکھا ہے اور زبانی بھی انہوں نے بتایا کہ تقسیم برصغیر سے قبل قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں ایک حکیم صاحب کا چھوٹا سا مطب تھا، میاں صاحب کے دوستوں نے انہیں بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست گزارنی ہو تو وہ ''بتوسط گورنر روحانی پنجاب'' لکھ کر انہیں دے دے۔۔۔رہا یہ سوال کہ ان حکیم صاحب کا روحانی مقام و مرتبہ کیا تھا، وہ گورنر روحانی پنجاب یعنی حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کے توسط سے حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کے لیے جو درخواست لکھواتے تھے، ان کی وصول یا منظوری کی اتھارٹی ان کے پاس تھی یا نہیں، اگر تھی تو یہ کیسے آئی اور کس حد تک تھی، ان سوالوں کا جواب نہ تو راقم کے پاس ہے نہ شاید میاں عبدالرشید مرحوم کے پاس ہوگا۔(۳۰۷)

میاں عبدالرشید مرحوم کے علاوہ اور بھی کئی خوش نصیب حضرات ہیں جو مخالفین اہلسنت کے گھرانوں میں پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بزرگان دین سے وابستہ ہو گئے اور اپنی عاقبت سنوار لی:

''حضرت اثر صہبائی سیالکوٹ کے ایک متعصب وہابی گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے خاندان کے نزدیک کسی ولی اللہ کے دربار میں حاضر ہونا اور دعا مانگنا قطعاً ناجائز اور حرام تھا۔اثر صہبائی اسی اثر کے ماتحت کافی عمر تک کسی ولی اللہ کی قبر پر فاتحہ اور دعا کے لیے حاضر نہ ہوئے لیکن آخر انہیں ایک دن حضرت داتا صاحب کی ان دیکھی کشش اپنے دربار میں لے آئی، وہاں اثر صاحب نے تصرف و فیض کا دریا موجزن دیکھا اور استطاعت کے مطابق اس فیض سے اپنی جھولی بھری۔بس پھر کیا تھا، جس وقت موصوف کو وقت ملتا داتا کے دربار میں حاضر ہو کر اپنا حصہ لے جاتے،

داتا کو خدا جانے اثر کی کیا ادا پسند آئی کہ سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے بھی اثر کو مشرف فرمایا، بس وہ دن گیا اور یہ دن آیا، اثر ہر وقت خواجہ دو عالم ﷺ اور داتا کی محبت اور عقیدت کے ترانے گاتے رہے ہیں۔ (۳۰۸)

پنجاب کے سابق چیف سیکرٹری پرویز مسعود نے روزنامہ ''جنگ'' کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ میری والدہ میری صحت یابی پر بہت خوش تھیں، جب میں ٹھیک ہو گیا تو ہم داتا دربار گئے اور ماں کے ساتھ میں نے غریبوں میں پیسے تقسیم کئے، اس دن کے بعد جب بھی مجھ پر مشکل وقت آتا ہے تو میں داتا دربار جاتا ہوں۔ مجھے اس بات پر یقین ہے کہ میں ایمانداری سے دل صاف کر کے کوئی سوال پوچھوں کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہیے یا نہیں تو میرے سامنے بڑا صاف جواب آ جاتا ہے کہ یہ چیز مجھے ملے گی یا نہیں ملے گی۔ (۳۰۹)

حضرت داتا گنج بخش کے دربار پر دعا تو قبول ہوتی ہے لیکن زیادہ تر لوگ دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں، جناب ریاض احمد خان غلزئی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

''آج اکثر لوگ مزار اقدس پر طلب دنیا کی دعا کرنے جاتے ہیں حالانکہ اصل دولت تو وہ روحانی توجہ ہے جو باطنی تطہیر کا سبب بنتی ہے کیونکہ جب باطنی تطہیر ہو جاتی ہے تو انسان ان انوار و تجلیات کا لطف اٹھاتا ہے جن کی بارش اولیائے کرام کے مزارات پر دن رات ہوتی رہتی ہے اور پھر انہی انوار و تجلیات کی بارش میں جسے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول بھی کہتے ہیں، انسان جو بھی دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے، بزرگان دین کے مزارات سے فیضیاب ہونے کا یہی ایک صحیح طریقہ ہے۔'' (۳۱۰)

اہل علم اور اللہ کے نیک بندے فرماتے ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر حاضر ہونے والا خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹتا، وہاں سے بلا شک وشبہہ فیض حاصل ہوتا ہے بلکہ اصل حکمران حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ ہیں:

☆ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے روحانی فیوض و برکات اپنی جگہ پر

مسلم اور ہر اختلاف رائے سے بالا ہیں، مزار پرانوار کروڑوں دلوں کے عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی تسکین بہم پہنچاتا ہے اور جس قلبی اطمینان و سکون کے خزانے لٹاتا ہے، اس پر شبہ کرنا عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے یہ انکار غیر فطری ہوگا اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی مادہ پرست سائنس اس انکار کو جائز نہیں سمجھے گی۔ (۳۱۱)

☆ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری بیشک ہمیں فیض پہنچاتے ہیں لیکن اللہ کے اذن سے پہنچاتے ہیں یا بغیر اذن کے؟ اللہ تعالیٰ کے اذن سے پہنچاتے ہیں، اللہ کے ارادے سے یا بغیر ارادے کے، اللہ کی مشیت کے ماتحت یا بغیر ماتحتی کے، اللہ کے حکم کے ماتحت یا بغیر اللہ کے حکم کے، اللہ کے حکم سے وہ ہمیں فائدہ دیتے ہیں۔ حضور داتا علی ہجویری ہوں، حضور غوث پاک ہوں، حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہوں، کوئی بھی اللہ کا نیک بندہ، مقرب ولی، قطب، غوث جو بھی خدا کے محبوبین ہیں، خدا کی قسم وہ اللہ کے اذن سے ہمیں فائدہ دیتے ہیں اور من دون اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ارادہ نہ ہو اور کوئی کچھ کر دے، اللہ نہ چاہے اور کوئی کچھ کر دے، اللہ کی مشیت نہ ہو اور کوئی کچھ کر دے، یہ نہیں ہوسکتا، من دون اللہ ایک تنکا نہیں ہل سکتا۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم تو من دون اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر تم بھی تو باذن اللہ کی آیتوں پر ایمان لے آؤ۔ (۳۱۲)

☆ مرکز تجلیات الٰہی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے ساتھ اباجی قبلہ حضور (علامہ سید احمد سعید کاظمی) کو ہمیشہ خصوصی لگاؤ اور روحانی تعلق رہا اور یہ رابطہ مزید اس وقت زیادہ گہرا ہو گیا جب آپ لاہور جامعہ نعمانیہ میں پڑھایا کرتے تھے۔ میں خود اباجی قبلہ کے ساتھ شاہ پور شریف میں حضرت سلطان الاولیاء سلطان بالا دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت اویس بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قل خوانی میں حاضر تھا، وہاں آپ نے دوران تقریر فرمایا کہ خدا کی قسم، میں نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لپ بھر بھر کر فیض دیتے ہوئے دیکھا ہے، آپ داتا

صاحب علیہ الرحمۃ کے عرس مبارک میں بڑے اہتمام کے ساتھ حاضری دیا کرتے تھے، ہاں جس سال وصال ہوا، اس سال حاضری نہ ہوئی، راقم الحروف کو یہ شرف حاصل ہے کہ اباجی قبلہ نے سند حدیث کی اجازت داتا صاحب کی تربت انور کے قدمین شریفین میں بیٹھ کر عطا فرمائی اور اس وقت غالباً محمد ریاض ہمایوں سعیدی کے علاوہ کچھ اور علماء بھی موجود تھے۔

ابا حضور قبلہ کے بارے میں یہ بات مجھے حضرت سید منصور کاظمی نے بتائی کہ ایک مرتبہ داتا صاحب کے عرس مبارک میں دوران تقریر داتا صاحب کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے جو کچھ ملا ہے، یہاں سے ملا ہے۔(۳۱۳)

☆ داتا دربار عوامی اور فلاحی جگہ ہے، یہاں سے لوگ مرادیں پاتے ہیں، حکمرانوں نے تو لوگوں کو ذلت اور اذیت ہی دی ہے، میں سوچتا ہوں کہ اگر لاہور میں داتا دربار نہ ہوتا تو بے چارے مسافر اور لاہوری کہاں جاتے، یہاں گورنر ہاؤس میں بھی ایک دربار ہال ہے مگر آج تک وہاں کوئی غریب مسکین جانے کا سوچ بھی نہیں سکا اور جن لوگوں کو کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی ان کے قیام وطعام کا انتظام داتا دربار پر ہوتا ہے، باہر کے شہروں سے آنے والے داتا دربار نہ آئیں تو جیسے وہ لاہور آئے ہی نہیں، کہتے ہیں جس نے لاہور نہیں دیکھا، وہ پیدا نہیں ہوا، میں کہتا ہوں، جس نے لاہور آ کے داتا دربار پر حاضری دی وہ دوسری بار پیدا ہوا، اپنے اندر سے پیدا ہوا، اس واقعے کا کسی کو پتہ نہ چلے تو نہ چلے مگر ہوتا ایسا ہی ہے۔۔۔۔

ہر شہر کا اپنا ولی ہوتا ہے۔ داتا صاحب لاہور کے ہیں اور یہ لاہور سارے شہروں میں بکھرا ہوا ہے۔ ایک آدمی مکہ مکرمہ میں بیمار پڑ گیا، اس نے لاہور میں اپنے دوست کو لکھا کہ یہ خط خانہ کعبہ میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں، تم داتا دربار جا کے میرے لیے دعا کرنا۔ ایک شخص کے لیے دعا سب کیلیے دعا ہوتی ہے۔ دعاؤں کا روشن غبار یہاں ہر وقت پھیلا رہتا ہے، عوام اب اپنے حکام سے ناامید اور بے نیاز ہو چکے ہیں اور داتا دربار پر ہجوم بڑھتا جاتا ہے۔ اصل حکمران تو داتا صاحب ہیں، دل کے حکمران اور

حکومت یہی ہے جسے حکومت کرنے والے سمجھتے ہیں۔

۲۴ گھنٹے یہ گھر آباد رہتا ہے، یہ زندہ تر قبر ہے، سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

باہو اتھے اوہو جیوندے قبر جنہاں دی جیوے ہو

کسی مولوی کی قبر پر میلہ نہیں لگتا۔ اچھرہ میں علمی شہرت کے مولانا مودودی کی قبر کی ویرانی دیکھی نہیں جاتی۔ لگتا ہے کہ مودودی صاحب کبھی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر نہیں ہوئے ہوں گے۔ لوگ مولانا مودودی کو بھول گئے، وہ سیاستدانوں، افسروں اور حکمرانوں کو یاد نہیں رکھتے۔ داتا دربار آ کے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ یہاں سب کو کچھ نہ کچھ عطا ہوتا ہے۔ ہاتھوں میں کچھ نہیں ہوتا مگر دلوں میں بہت کچھ ہوتا ہے، کبھی حکمرانوں نے غور کیا کہ ان کے دربار کیوں اجڑ گئے۔ گورنر ہاؤس لاہور کا کوئی مکین یہ سوچنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، داتا دربار اور حکمرانوں کے دربار میں کتنا فرق ہے۔ (۳۱۴)

مفتی محمد امین صاحب، جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد کے پاس محمد عبداللہ نے ایک سوال بھیجا تھا کہ:

"ایک صوفی صاحب کا بیان ہے کہ میں سرکار داتا صاحب کے دربار میں حاضر ہوا تو وہاں میرے دل کو چین نہیں آتا تھا، حالانکہ اس سے قبل جب کبھی دربار داتا صاحب میں حاضری ہوتی تو سکون حاصل ہو جاتا تھا۔ بس اسی سوچ میں تھا، اچانک خبر ملی کہ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد لائل پوری کا وصال ہو گیا ہے۔ پھر سکون نہ حاصل ہونے کا سبب یہ معلوم ہوا کہ سرکار داتا صاحب تشریف فرما نہیں ہیں۔ بلکہ وہ محدث اعظم پاکستان کے جنازہ پر گئے ہوئے ہیں۔ اسی لیے سکون نہیں ہے، تو سوال یہ ہے کہ کسی بزرگ کے وصال اور جنازہ پر دوسرے گزشتہ بزرگوں کا جانا یہ ممکن ہے؟ بینوا۔

اس سوال کے جواب میں مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد!

جب کسی عالی مرتبت بزرگ کا وصال ہوتا ہے تو عالم میں اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، بعض حضرات برکت حاصل کرنے کے لیے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں تو بعض حضرات برکت دینے کے لیے تشریف فرما ہوتے ہیں، چنانچہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ روض الریاحین میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو اس رات خواب میں اس شہید لڑکے سے ملاقات ہوئی، میں نے لڑکے سے پوچھا، بیٹا! کیا تو مرا ہوا نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا، ابا جان! میں مرا نہیں۔ میں تو شہید ہوا ہوں اور میں خدا تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہوں، رزق بھی کھاتا ہوں، میں نے کہا، بیٹا! آج کیسے آنا ہوا تو اس نے کہا۔۔۔ آسمانوں میں منادی کرائی گئی ہے کہ سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سارے صدیق، سارے شہید آج عمر بن عبدالعزیز کے جنازہ پر جائیں گے۔ اس لیے میں بھی جنازہ پر حاضر ہوا تھا اور اس کے بعد آپ کو سلام کرنے آیا ہوں۔ (۳۱۵)

اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بعد وصال بھی مختلف قسم کے امور سرانجام دیتے ہیں۔ ان کے دربار پر روزان گنت لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ ان میں ایسے افراد بھی شامل ہوتے ہیں جو انہیں داتا تسلیم نہیں کرتے، گویا منکرین بھی ان کے فیض سے محروم نہیں رہتے۔

اہلحدیث کے ترجمان ہفت روزہ "تنظیم اہل حدیث" لاہور ۱۰/مارچ ۲۰۰۰ء میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کے دربار پر دنیا بھر سے زائرین آتے ہیں، پاکستان کا ہی نہیں، غالباً یہ دنیا کی واحد ہستی کا دربار ہے جہاں ۲۴ گھنٹے لنگر جاری رہتا ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ اس دربار سے کئی سفید پوش بھی لنگر لے کر اپنے بچوں کے پیٹ کی بھوک مٹاتے ہیں، یہاں پر بے پناہ عبادت بھی ہوتی ہے، اس قدر قرآن خوانی شاید ہی ملک کے کسی دربار پر ہوتی ہو۔" (۳۱۶)

سات بار اے پی این ایس ایوارڈ اور صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی حاصل کرنے والے ایشیا کے ریکارڈ ساز صحافی جناب رحمت علی رازی نے ایک انٹرویو میں بتایا:

"جب میں صحافت میں آیا تو ان دنوں شروع شروع میں، میں مالی پریشانیوں کا شکار رہا، تنخواہ بھی مل جاتی اور کبھی نہ ملتی، اس دوران میں نے اپنے کسی رشتے دار پر بوجھ بننے کی بجائے یہ کرنا شروع کیا کہ داتا صاحب سے لنگر کھاتا اور ناصر باغ میں جا کر سو جاتا"۔(۳۱۷)

سچی بات یہ ہے کہ جس قدر وسیع پیمانے پر حضرت داتا صاحب لوگوں کو کھانا کھلانے کا بندوبست فرماتے ہیں، ایسا تو ایک فرد واحد تو کیا حکومت بھی نہیں کر سکتی، حکیم محمد موسیٰ امرتسری اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

"قیام پاکستان کے وقت جو مہاجرین براستہ واہگہ لاہور آئے اور مہاجر کیمپوں میں پناہ گزیں ہوئے، ان کی پرورش حضور داتا صاحب نے فرمائی، اس لیے کہ اس وقت حکومتی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے اور افراتفری کے عالم میں یہ ممکن نہ تھا کہ مہاجرین کے کیمپوں میں تین وقت کے کھانے کا انتظام ہوتا۔ جو کام حکومت نہ کر سکی، وہ کام حضرت داتا صاحب کی درگاہ شریف کے لنگر سے ممکن ہوا۔ قیام پاکستان کے وقت پکی پکائی تیار دیگوں کا کاروبار رائج نہ تھا، عقیدت مندان گنج بخش اپنے اپنے ٹھکانوں سے مختلف اجناس کی دیگیں پکوا کر درگاہ شریف پر نذر و نیاز پیش کرتے تھے، اس کے علاوہ درگاہ شریف کے متولیان مہمان زائرین کے لیے ہر روز تین وقت کا لنگر پکواتے تھے، جب مہاجرین آئے تو لنگر وافر مقدار میں پکایا جانے لگا اور سارے کا سارا لنگر مہاجرین کے لیے وقت کر دیا گیا تھا، کیمپوں تک پہنچانے کا بندوبست سجادہ نشینان حضرت داتا صاحب خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔"(۳۱۸)

کھلانے پلانے کا تذکرہ ختم کرنے سے پہلے درج ذیل حیرت انگیز واقعات بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ حضرت ملا جی جمال تلوی کو حضرت داتا صاحب سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی اور اسی عقیدت کی بناء پر آپ کامل بارہ برس تک آپ کے مرقد منور پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوتے رہے، خواہ دھوپ ہو یا گرمی، بارش ہو یا خشک سالی مگر آپ کے معمول میں فرق نہ پڑا، ایک دفعہ کا واقعہ لکھا ہے کہ آپ کو کھانا میسر نہ آیا تو آپ اسی حالت میں باغ نواب خان خانان میں چلے گئے اور ایک درخت کی شاخ پکڑ کر کھڑے ہو گئے، حالانکہ یہ اس کے پھل کا موسم نہ تھا، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نورانی وضع قطع کا بزرگ درخت پر بیٹھا ہے، جس نے کہا کہ اے ملا جمال! کیا توت کھاؤ گے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ بزرگ نے شاخ کو جھٹکا دیا، توت زمین پر گرے اور آپ نے جی بھر کر کھائے، خود فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (۳۱۹)

☆ رات کو ایک بجے ہم داتا دربار پہنچے تھے، مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے، میں نے (حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی سے) عرض کی، حضرت! یہاں لاہور میں دودھ بہت اچھا ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا، پیو گے؟ میں نے کہا، ہاں! میں نے عرض کی، چلیے، حضرت نے فرمایا کہاں؟ میں نے کہا، دودھ والے کی دکان پر چلتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا، ابھی بیٹھو۔ حضرت نے مختصر دعا فرمائی۔ اچانک ایک شخص آیا، اس کے ہاتھ میں دودھ کے دو گلاس تھے، وہ اس نے ہمیں تھمائے اور غائب ہو گیا، حضرت نے فرمایا، شبیر بھائی! آپ نے دودھ مانگا تھا، پیو۔ میں حلفیہ عرض کرتا ہوں، ایسا دودھ زندگی میں کبھی پہلے نہیں پیا تھا۔ میں برسوں لاہور شہر میں رہ رہا ہوں اور کئی دکانوں سے دودھ پیا ہے لیکن وہ کوئی کرم ہی کی بات تھی۔ میں عرض کروں، میں اصل دودھ کے بہانے کوئی کرم نوازی ہی چاہتا تھا، مجھ گناہ گار کو یہ بہشتی غذائیں کہاں نصیب ہوتی تھیں۔ (۳۲۰)

☆ حضور پرنور، امام الاولیاء، قطب الاصفیاء، مقتدائے سالکاں، راہنمائے گمراہاں سیدنا المخدوم علی الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش ؓ کی ذات

گرامی سے حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قاری چشتی کو بے پناہ عقیدت تھی، اس لیے مہینہ میں ایک دفعہ لازماً، دو تین دفعہ احیاناً ''داتا دربار'' جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے بیان فرمایا کہ اب کی مرتبہ جب میں ''دربار داتا'' حاضر ہوا، آستانہ عالیہ پر دست بستہ کھڑا ہوا، سلام پیش کرنے کے بعد فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کیا اور دعا مانگی، مجھے پیاس بہت لگی ہوئی تھی، ٹھنڈی میٹھی لسی پینے کی دل میں تمنا تھی، ابھی دعا سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ایک شخص کو اپنے پاس کھڑا دیکھا، اس کے ہاتھ میں دہی کی لسی سے بھرا ہوا بڑا گلاس تھا، مجھ سے کہنے لگا، یہ لسی پی لیجئے۔ میں نے وہ لسی پی لی۔ نہایت لذیذ ٹھنڈی میٹھی تھی۔ پھر وہ شخص گلاس لے کر چپ چاپ چلا گیا۔ نہ میں نے اسے پہچانا تھا اور نہ ہی اس نے اپنی پہچان کرائی۔ (۳۲۱)

☆ حضرت داتا صاحب کی عطا و بخشش کے بہت سے واقعات کتب ورسائل اور اخبارات میں محفوظ ہیں، جن میں چند پیش خدمت ہیں:

☆ حضرت مادھولال حسین نے بارہ برس تک نہایت پابندی سے حضرت داتا صاحب کے مزار پر حاضری دی، آخر اس حاضری کا صلہ آپ کو مل ہی گیا۔ ایک دن آپ حسب معمول مزار مبارک پر حاضر تھے کہ نورانی صورت نمودار ہوئی اور آپ سے فرمایا: تم جانتے ہو، میں کون ہوں؟ پھر خود ہی بتایا کہ ''میں علی ہجویری ہوں''۔

آپ کے حال پر نہایت لطف و کرم فرمایا، آپ کو نعمت باطنی سے مالا مال کر دیا۔ آپ کو ولایت عطا فرمائی اور شراب وحدت سے مدہوش و سرشار کیا اور فرمایا کہ:

''یہ اس خدمت کا صلہ ہے جو تم نے بارہ سال کی ہے۔ (۳۲۲)

☆ جناب میاں ایم اسلم حضرت علامہ اقبال کی زبانی بیان کرتے ہیں:

'' آپ نے فرمایا کہ حضرت گرامی آئے ہوئے تھے اور حسب دستور میرے پاس مقیم تھے، ایک روز ہم دونوں صبح صبح گھر سے نکل کر حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کو چلے، بھاٹی دروزہ کے باہر ایک سپید ریش آدمی ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، میری جیب میں ایک چونی تھی، میں نے وہ چونی اس

کے ہاتھ پر رکھ دی لیکن اس نے چونی زمین پر پھینک دی اور ایک روپیہ مانگا، مانگنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ میرا قدم آگے نہ اٹھا، میں نے گرامی صاحب سے کہا کہ آپ دربار کو چلئے میں آپ کے پیچھے پیچھے پہنچتا ہوں۔ گرامی صاحب نے کہا کہ وہ اسی جگہ میرا انتظار کریں گے، گھر دروازے کے قریب ہی تھا، میں نے گھر سے ایک روپیہ لیا اور واپس آکر اسی فقیر کو دے دیا۔ اس نے دعا دی اور میں اور گرامی حضرت داتا صاحب کے مزار پر جا پہنچے، یہاں ہم کچھ دیر ٹھہرے اور فاتحہ پڑھ کر واپس گھر لوٹ آئے، اسی روز میرے منشی طاہر نے مجھے پانچ سو روپے کا نوٹ دیا اور کہا کہ ایک مقدمے والا آیا تھا، وہ پانچ سو روپے آپ کی فیس دے گیا ہے۔ حضرت گرامی جو میرے پاس بیٹھے تھے، بولے "ڈاکٹر صاحب! لیجئے آپ کو ایک کے پانچ سو مل گئے۔ (۳۲۳)

مکرمی حکیم امین الحسنات سید خلیل احمد قادری خطیب جامع مسجد وزیر خان فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا ابو الحسنات علیہ الرحمۃ نے جس روز کشف المحجوب کا ترجمہ جس کا تاریخی نام "کلام المرغوب" (۱۳۷۰ھ) ہے، مکمل کیا تو اسی رات حضرت داتا صاحب کی خواب میں زیارت ہوئی، وہ اس طرح کہ حضرت داتا گنج بخش ایک بلند مقام پر رونق افروز ہیں اور چاروں طرف بہت زیادہ روشنی ہے، لوگوں کی قطاریں بندھی ہوئی ہیں، حضرت داتا صاحب کچھ تقسیم فرما رہے ہیں اور لوگ لے لے کر ایک طرف ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی قطار میں علامہ ابو الحسنات بھی شامل ہیں تو جس وقت وہ داتا صاحب قدس سرہ کے سامنے ہوئے تو حضرت نے مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے دائیں طرف بٹھا لیا، اس کے بعد علامہ ابو الحسنات بیدار ہو گئے"۔

(دوران علالت حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے فرمایا:)

"خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حضرت داتا صاحب نور اللہ مرقدہ کے جوار میں آسودہ ہیں"۔۔۔

مولانا امین الحسنات سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی خواہش

کے مطابق میں نے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا تو بہ تصرف داتا صاحب قدس سرہ بلا وقت حضرت داتا صاحب کے احاطۂ مزار میں مولانا کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔(۳۲۴)

☆ ۱۹۸۶ء کی بات ہے، میں سول سیکرٹریٹ لاہور میں بطور ڈپٹی سیکرٹری تعینات تھا۔۔۔ داتا دربار حاضری کے لیے گیا۔نوافل پڑھنا شروع کر دیئے، دو نوافل حضور اکرم ﷺ کے لیے پڑھے، پھر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی ارواح مبارکہ کو چند نوافل بخشے، ازواج مطہرات کی ارواح مقدسہ کے لیے بھی دو نوافل پڑھنا شروع کر دیئے۔ جب سلام پھیرنے لگا تو عجیب وغریب وسوسے اور خیالات ذہن میں آنا شروع ہو گئے۔ جلدی میں پیسے گھر بھول آیا تھا۔ صرف جوتوں کی حفاظت کے لیے دو تین روپے میرے پاس تھے، میں نماز کے دوران میں ہی سوچ رہا تھا کہ یہ رقم باہر جوتے والے کو ادا کر دوں گا۔ بھلا موتیے کے ہار والدہ مکرمہ کے لیے کیونکر خرید سکوں گا۔ والدہ صاحبہ کو موتیے کے ہار بڑے پسند ہیں، پھر سوچا، نوافل کے دوران ہار خریدنے کی خواہش مناسب نہیں، پوری توجہ نماز کی طرف ہونی چاہیے، ان خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا، نوافل مکمل ہوئے تو سلام پھیرا، جونہی سلام پھیرا تو ایک شخص جس کے ہاتھ میں جھاڑو تھا، مجھے معنی خیز انداز میں دیکھ کر پنجابی میں مخاطب ہوا:

''تسی آپ ای لمبے لمبے نفل نیت لیے نیں، تہانوں موتیے دے ہار ای چاہی دے نیں، ایہہ تے میں تہاڈے لئی رکھے ہوئے نیں۔''

''یعنی آپ نے خود ہی لمبے لمبے نوافل نیت لیے ہیں، آپ کو موتیے کے ہار چاہئیں، یہ تو میں نے آپ کے لیے رکھے ہوئے ہیں''۔

پھر اس شخص نے اپنے جیب سے موتیے کے ہار نکال کر مجھے دیئے، میں نے فوراً وہ ہار قبول کیے، شکریہ ادا کیا اور فوراً اس شخص سے گلے ملا، جب گلے مل رہا تھا تو میرے قلب کی عجیب سی کیفیت تھی، اپنے جسم کے اندر میں عجیب سا کرنٹ محسوس کر

رہا تھا۔ وہ شخص ہاتھ میں جھاڑو تھامے دور والی صفوں کی طرف چلا گیا، میں حیران تھا کہ یہ شخص کون ہے؟ پھر اسے کیونکہ معلوم ہو گیا کہ مجھے ہاروں کی ضرورت ہے، میں تو صرف چند سیکنڈ پہلے نماز میں سوچ رہا تھا، یہ کیسا رابطہ تھا؟ اس پراسرار شخص کو میرے خیالات کا علم کیسے ہوا؟ اتنی جلدی ہار کیسے لے آیا؟ کیا میں نے جو نوافل حضور اکرم ﷺ یا صحابہ کرام، خلفائے راشدین اور ازواج مطہرات کے لیے پڑھے تھے، وہ کیسے ان کی ارواح مبارکہ تک نہ پہنچے ہوں گے؟ آج کل (FAX) کے ذریعے دنیا کے دور دراز علاقوں تک تحریریں بھیج دی جاتی ہیں جو آن واحد میں متعلقہ جگہ پر پہنچ جاتی ہیں، یہ تحریریں فضاؤں میں بکھر جاتی ہیں، پھر من وعن اکٹھی ہو جاتی ہیں، وصول کرنے والا انہیں وصول کر لیتا ہے، میرے نوافل بھی یقیناً فیکس ہو رہے ہوں گے۔

میں نے نوافل سے فارغ ہو کر دعائیں مانگیں، پھر داتا صاحب کے مزار اقدس پر فاتحہ پڑھی، جب قدمین شریفین کی طرف سے واپس جانے لگا تو خیال آیا کہ والدہ صاحبہ کے لئے تو موتیے کے ہار مل گئے، بچوں کے لیے خالی ہاتھ جا رہا ہوں، کوئی شیرنی مل جاتی تو یہ تبرک بچوں کو دیتا، بچے خوش ہو جاتے۔ بچے ابھی چھوٹے تھے، کوئی ۸ سال کا، کوئی ۷ سال کا، بچے پھلیاں اور میٹھی چیزیں خوشی سے کھاتے ہیں۔ ابھی یہ آرزو کر ہی رہا تھا کہ اس شخص نے ہوا میں جھاڑو لہراتے ہوئے دور سے میری طرف اشارہ کیا، پھر جلدی جلدی آیا اور مسکرا کر کہنے لگا، تبرک کی ضرورت ہے تو وہ بھی لو، اس نے جیب سے پھلیاں اور الاچی دانہ نکالا اور میرے حوالے کر دیا، یوں لگتا تھا میری خواہشات اور میری آرزوئیں اس کے دل پر القاء ہو رہی ہیں، میں جو بھی خواہش کرتا ہوں وہ اس کے دل و ذہن پر فیکس ہو جاتی ہے۔ (۳۲۵)

☆ حضرت قاری محمد مصلح الدین رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء) نے کل بارہ حج کیے، ہر مرتبہ آپ حج کو روانہ ہونے سے قبل حضرت امام الاولیاء سیدنا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کے مزار اقدس پر ضرور حاضر ہوتے تھے اور فرماتے کہ میرے حج کے لیے ویزا یہیں سے ملتا ہے۔ (۳۲۶)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مشکل کے وقت ہر عقیدت مند کی مدد

کرتے ہیں۔ اس قسم کے چند واقعات نذر قارئین ہیں:

☆ ایک صاحب قصور کے رہنے والے ہر ہفتہ حضرت داتا صاحب کے مزار پر حاضری دیا کرتے ہیں، وہ ایک دن حضرت کے مزار پر حاضر ہوئے تو کوشش بسیار کے باوجود حسب سابق توجہ نہ مل سکی، اس پس وپیش کے عالم میں انہوں نے کافی دیر تک یہاں قیام کیا، آخری رات چند لمحات کے لیے نیند آئی تو حضرت داتا صاحب نے فرمایا کہ میں ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے سلسلہ میں) جہاد میں مصروف تھا، سرور دو جہاں ﷺ مع صحابہ اور بزرگان دین پاکستان کی سرحدوں پر رونق افروز ہوئے اور پاکستان کی حفاظت کے لیے جہاد کا حکم فرمایا۔ (۳۲۷)

☆ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد ساری عمر انگریزی کچہریوں میں نہیں گئے، مخالفین نے بارہا جھوٹے مقدمے بنوائے اور آپ کو کچہری میں پہنچانے کے لیے پورا زور لگایا مگر بفضلہ تعالیٰ کبھی آپ کو کچہری میں نہیں جانا پڑا، بعض اوقات مخالفین آپ کو کچہری بلوانے کی تگ ودو میں مصروف ہوتے اور آپ دربار داتا میں حاضر ہو جاتے اور معاملہ رفع دفع ہو جاتا۔ (۳۲۸)

☆ مولانا اختر سلیمان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ چند مرید حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے ہمراہ داتا دربار تشریف لے گئے وہاں آپ کو شدید داڑھ درد شروع ہو گئی جو کہ نا قابل برداشت تھی۔ حضور فرماتے ہیں کہ اچانک وہاں حضرت داتا صاحب تشریف لے آئے اور ایک شخص کے زور سے تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ تم یہاں نہ آیا کرو اور ابھی یہاں سے نکل جاؤ، زاں بعد میں نے اپنی تکلیف کا ذکر کیا تو فرمایا کہ جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ بمع اپنے مریدین کے جہاں آپ کی اقامت تھی، چلے گئے، وہاں مختلف آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں ایک دندان ساز بھی تھا، جب اس کو آپ کی شدید داڑھ درد کا حال معلوم ہوا تو اس نے داڑھ نکالنے کا سامان وہیں منگوالیا اور آپ کی داڑھ نکال دی، آپ فرمانے لگے، مجھے ذرہ برابر بھی درد نہیں ہوئی، یہ حضور داتا صاحب قدس سرہ کی کرامت کا ہی نتیجہ ہے۔ (۳۲۹)

☆ حافظ شفیق احمد قادری نے بتایا کہ میں موسیٰ زئی شریف میں بیعت تھا، میرے مرشد کا انتقال ہو گیا، میں ایک مراقبہ میں سرگرداں تھا، وہ حل نہیں ہو رہا تھا، دن بدن میری پریشانی میں اضافہ ہونے لگا، میں روزانہ حضرت داتا صاحب کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیا کرتا، کافی عرصہ کے بعد مجھے حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے خواب میں فرمایا کہ جموں میں سید عباس علی شاہ کے پاس جاؤ، وہ تمہاری یہ مشکل حل کرے گا، میں گوہر مراد کی تلاش میں جموں پہنچا، تلاش بسیار کے بعد میں نے سید عباس علی شاہ کو پالیا لیکن ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی، میں نے سوچا کہ جس کے لیل و نہار ایک برہمن کی نوکری میں گزرتے ہیں، وہ میری مشکل کیا خاک حل کرے گا، چنانچہ اظہار کیے بغیر میں واپس آ گیا۔ ایک بار پھر داتا صاحب قدس سرہ نے خواب میں شرف دیدار بخشا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسی جموں والے درویش کے ہاتھ میں دے دیا اور ان کے پاس جانے کی تاکید فرمائی۔

پھر جموں پہنچا، جب گاڑی پلیٹ فارم پر رکی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی درویش پلیٹ فارم پر ٹہل رہا ہے، مجھے دیکھا اور جلدی سے آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجذوبانہ انداز میں کہا کہ اب داتا صاحب نے بھی لوگوں کی چغلی کھانی شروع کر دی ہے، وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اس برہمن کے مکان پر لے گئے جس کی گائیں چرایا کرتے، کافی دن انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھا، پھر ایک روز مجھے اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے اور خلوت میں ایسی توجہ فرمائی کہ میرا عقدہ حل ہو گیا، چشم زدن میں وہ مرحلہ طے ہو گیا جس میں عرصہ سے سرگرداں تھا۔ (۳۳۰)

☆ مسجد حضرت داتا صاحب کے نائب خطیب مولانا محمد الطاف نیروی نے ''کشف المحجوب'' کا اردو ترجمہ کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ:

''ترجمہ کے دوران جب کوئی مشکل پیش آتی تو داتا حضور کی بارگاہ میں درخواست پیش کی جاتی، حضور داتا صاحب کی نگاہ فیض سے مشکل رفع ہو جاتی او. مسئلہ کا حل سامنے آ جاتا''۔ (۳۳۱)

☆ مولانا محمد طفیل سعیدی رقمطراز ہیں:

''میرے ایک دوست نے بی اے کیا ہوا تھا لیکن باوجود کوشش کے

ملازمت نہیں ملتی تھی، ایک مرتبہ لاہور سے انہیں انٹرویو کے لیے بلایا گیا، میں بھی اس کے ساتھ چل پڑا، جب ملتان پہنچے تو میں نے اپنے دوست سے کہا کہ ملتان میں ایک سید صاحب رہتے ہیں، بہت بڑے عالم وکامل آدمی ہیں، ان سے دعا کراتے چلیں، خیر ہم بارگاہ کاظمی میں حاضر ہوئے اور دعا کے طلب گار ہوئے، حضرت فرمانے لگے، حاجی صاحب! آپ بہت نیک آدمی ہیں، آپ دعا کریں، میں آمین کہتا ہوں۔ ہم نے جب بہت اصرار کیا تو حضرت نے دعا فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ حاجی صاحب جب لاہور جائیں تو حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے دربار شریف میں حاضری دینا، فاتحہ پڑھنے کے بعد میری طرف سے عرض کرنا کہ سید احمد سعید کاظمی ملتان سے سلام عرض کرتا ہے۔ اور یہ بھی عرض کرتا ہے کہ میرے عزیز آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، چونکہ لاہور آپ کا حلقہ ہے، میں مداخلت نہیں کرتا، آپ مہربانی فرما کر ان کا کام کر دیں۔

ہم ملتان سے لاہور روانہ ہو گئے، لاہور پہنچنے پر میرے دوست نے کہا کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعد میں جائیں گے پہلے دفتر سے ہولیں۔ میں نے بہت کہا کہ دربار شریف کی حاضری دیں لیکن میرا دوست پہلے دفتر جانے پر بضد تھا۔ میں نے ہار مان لی اور دفتر کی طرف چل پڑے، دفتر کے باہر امیدواروں کے ناموں کی لسٹ آویزاں تھی، ہم نے بغور پڑھا لیکن میرے دوست کا نام اس لسٹ میں تحریر نہ تھا۔ بڑی مایوسی ہوئی، مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے کہا کہ اگر تم حضرت غزالی زماں کا پیغام حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی بارگاہ میں پہنچاتے تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ وہ بہت نادم ہوا اور کہنے لگا کہ اب جا کر دیکھ لیتے ہیں، وہاں سے ہم سیدھے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار گہر بار پہنچے، حاضری دی، فاتحہ کے بعد امام اہل سنت کے وہ الفاظ دہرائے جو آپ نے ارشاد فرمائے تھے۔ سلام و پیغام پہنچانے کے بعد ہم واپس دفتر آ گئے لیکن یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے کہ پہلے والی فہرست اب موجود نہ تھی بلکہ ایک دوسری لسٹ اسی جگہ آویزاں تھی اور سرفہرست میرے دوست کا نام لکھا ہوا تھا۔ میرا دوست خوشی سے جھومنے لگا، اس کا انٹرویو بھی بہت اچھا رہا اور اسے نوکری کے آرڈر بھی مل گئے۔'' (۳۳۲)

☆ حکیم صاحب مرحوم سے راقم نے دریافت کیا کہ مرکزی مجلس رضا کے حوالے سے بہت بھاری اور کٹھن ذمہ داری جو آپ بخیر و خوبی انجام دے رہے ہیں، اس کے لیے ظاہری وسائل نظر نہیں آتے، اس پر روشنی ڈالیے۔ حکیم صاحب نے فرمایا:

''کوئی بھی کار خیر کرنے سے قبل اگر بندہ اپنی ذاتی ہمت و کوشش اور اپنے وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کی مدد و توفیق کا طلب گار بن کر کام کرنے کا آغاز کرے تو انجام بخیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کو حاجت مندوں کا ممد و معاون اور وسیلہ بنا دیتا ہے جو کام نفسانی اغراض سے پاک ہو، اس کام میں برکت ہو جاتی ہے، وسائل کی تنگی کشادگی میں بدل جاتی ہے اور مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ جب مجھے کوئی ایسی مشکل پیش آ جائے جس کے حل کی بظاہر کوئی صورت نظر نہ آئے تو میں حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے مزار پر مراقبہ کرتا ہوں۔ داتا صاحب کے وسیلے سے میری مشکل اکثر حل ہو جاتی ہے۔۔۔۔

مرکزی مجلس رضا کے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے میں زیادہ تر تعاون و معاونت حضرت داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے عقیدت مندوں کی جانب سے جاری ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ ناچیز پر حضرت داتا صاحب قدس سرہ کا یہ خصوصی فیض ہے کہ مجھے بن مانگے وہ کچھ مل رہا ہے جس سے مرکزی مجلس رضا کی جملہ ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں''۔ (۳۳۳)

☆ جناب میاں زبیر احمد صاحب علوی گنج بخشی قادری ضیائی جو کہ ''خانقاہ موسوی'' کے ایک حاضر باش جلالی درویش ہیں، نے ایک واقعہ بیان کیا کہ:

''حکیم صاحب کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے حکیم صاحب مرحوم کی صحت میں کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے ایک روز صبح سویرے حکیم صاحب نے فون پر مجھے حکم دیا کہ مزار داتا پر فوراً پہنچو، میں بھی حاضری کے لیے آ رہا ہوں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی، حکیم صاحب بھی اپنے دونوں یتیم نواسوں جہاں زیب احمد، عمر چھے سال اور حسن فاروق، عمر چار سال کو ہمراہ لیے داتا دربار پہنچے، میں نے جب خصوصی حاضری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا، آج اپنے کم سن یتیم نواسوں کی ذمہ داری حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے سپرد کرنے آیا ہوں، اس لیے کہ میں ان کی پرورش

اور تربیت نہ کرسکوں گا۔ میاں صاحب! آپ بھی دعا کریں کہ میری یہ عرض منظور ہو جائے، اس کے بعد حکیم صاحب مجھے اور نواسوں کو لے کر حضرت داتا دربار شریف میں داخل ہوئے اور مزار شریف کے گنبد کے مغربی جانب مواجہہ شریف کے مقام پر غلام گردش میں دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے، پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ہم بھی دعا میں شریک ہو گئے، بعد از دعا حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز، سجادہ نشین اول حضرت داتا صاحب نور اللہ مرقدہ کے مزار جو کہ گنبد کے مشرقی پہلو میں واقع ہے، پر آپ نے فاتحہ خوانی کی اور پھر انتہائی اطمینان وسکون کی کیفیت میں داتا دربار سے رخصت ہوئے اور کچھ عرصہ بعد آپ کا وصال ہو گیا۔"

اس واقعہ سے حکیم صاحب کی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لازوال عقیدت، حصول فیض، ان کی سفر زندگانی کے خاتمے کی طرف اشارہ ہے۔ (۳۳۴)

منکرین عظمت اولیاء مسلمانوں کے ذہن سے یہ بات نکالنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ حضور علی ہجویری داتا ہیں، اس سلسلہ میں یہ دلچسپ خبر ملاحظہ فرمائیں:

"داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار پر ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا، اے داتا! دس روپے دے دے! دس روپے درکار ہیں، لے کر ہی جاؤں گا، بس یہی رٹ لگائے جا رہا تھا کہ "کوئی صاحب" اتفاقاً وہاں سے گزرے اور کہنے لگے، نادان! داتا داتا مت کہہ اور ان سے مت مانگ، یہ جائز نہیں، اس شخص نے اس بات کی پروا نہ کی اور اپنا سوال جاری رکھا، "وہی صاحب" پیچ وتاب کھانے لگے اور دل میں کہنے لگے کہ چاہے میرے پیسے ہی کیوں خرچ نہ ہوں مگر اس سے یہ "مشرکانہ" حرکت چھڑا کے ہی دم لوں گا۔ چنانچہ "ان صاحب" نے اپنی جیب سے دس کا نوٹ نکالا اور کہا، لو بھئی! یہ دس روپے مجھ سے لے لو مگر "داتا سے نہ مانگو" یہ کیا دیں گے، اس شخص نے دس کا نوٹ لیا اور زور سے ایک نعرہ لگایا:

"داتا! تیرے صدقے! دلائے بھی تو کس موذی سے۔" (۳۳۵)

Par precipitate

۵۵۶

حضرت داتا صاحب کا عقیدہ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو جہان کی تدبیر کرنے والا بنایا ہے، انہیں یہ قوت بھی دی ہے کہ وہ سارے جہان کو دیکھتے ہیں، انہیں سارے جہان کا نگران مقرر کیا ہے، جہان کی مشکلات اور آسانیاں ان سے متعلق کر دی ہیں اور احکام عالم کو ان کی ہمت اور مدد و توجہ سے وابستہ کر دیا ہے۔ (کشف المحجوب: ۲۴۵)

۲۔ یہاں تک کہ آسمان سے بارش ان کے قدموں کی برکت سے ہوتی ہے، زمین سے نباتات ان کے احوال کی صفائی سے اگتے ہیں اور کفار پر مسلمان اولیاء اللہ کی ہمت و توجہ سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ (کشف المحجوب: ۲۴۲، مطبوعہ سمرقند)

۳۔ حضرت داتا گنج بخش (کشف المحجوب: ۱۹۸، ۱۹۹ پر حضرت ابو العباس القاسم بن مہدی السیاری ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آپ نے اپنے باپ سے ترکہ میں بہت مال پایا، پھر آپ نے وہ سارے کا سارا مال و متاع دے کر کسی سے حضور نبی کریم ﷺ کے دو موئے مبارک حاصل کر لیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عمل اور حضور ﷺ کے موئے مبارک کی برکتوں سے ایک تو سچی توبہ نصیب فرمائی، دوسرے آپ کو حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہ کی صحبت سے سرفراز فرمایا، جب آپ دنیا سے رحلت فرمانے لگے تو وصیت فرمائی کہ موئے مبارک میرے منہ میں رکھ دیئے جائیں، آج آپ کی قبر مبارک مرو میں مرجع خلائق اور عوام و خواص سب پر ظاہر و عیاں ہے، لوگ حاجتیں چاہنے کے لیے آپ کے مزار پر جاتے اور وہاں سے مشکلات کا حل طلب کرتے ہیں، حاجات پوری ہونے اور حل مشکلات میں آپ کی قبر انور مجرب ہے۔ واللہ اعلم

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ مسلک اہل سنت و جماعت ہی عارفین کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ سے عقائد اور مسلک و مشرب میں موافقت و مطابقت رکھتے ہیں، یاد رکھیے کہ قرآن حکیم کا بیان کردہ صراط مستقیم بھی یہی ہے، انصاف شرط ہے۔ (۳۳۶)

شہر لاہور۔ حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں

حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ نے لاہور کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا ہے، اصل میں یہ اسی قطب الاقطاب کو خراج تحسین ادا کیا ہے، حضرت شیخ مجدد فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب الارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر و برکت تمام بلاد ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔'' (۳۳۷)

مصور پاکستان علامہ محمد اقبال کا نذرانہ عقیدت:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آسان گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

(۳۳۸)

ارشادات حکیم اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ

ا۔ اس زمانہ میں بے ادبوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے پیچھے امریکہ اور دیگر دشمن اسلام طاقتوں کا خفیہ ہاتھ کارفرما ہے، اندریں صورت اہل سنت تک صحت مند لٹریچر پہنچانا نہایت ضروری ہے تاکہ اس کے مطالعہ سے اہل سنت اپنے قلوب کو منور رکھ سکیں اور اذکار اولیاء اللہ سے جو برکات نازل ہوتی ہیں، ان کی بدولت اس دور کے ظاہری و باطنی شر سے محفوظ رہ سکیں۔ (۳۳۹)

۲۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فطرتاً ولی اللہ تھے بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت اور ان کی اطاعت سے ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند ترین مرتبہ پر فائز ہوئے، چونکہ آپ نے اللہ کے محبوب رسول اکرم ﷺ کی محبت میں خود کو فنا کر لیا تھا، اس لیے آپ کو محبوبیت کا مقام بھی عطا ہوا اور خطہ ارض پر مظہر نور خدا ہوئے، آپ کو حیات میں اور بعد از وصال بھی عوام و خواص کے لیے بے پناہ فیوض و برکات کا منبع بنا دیا گیا۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بہت کم اولیاء کرام کو ایسی محبوبیت و مقبولیت حاصل ہوئی، آپ اولیاء کے مخدوم اور صوفیہ کے سلطان ہیں۔ (۳۴۰)

حضرت داتا گنج بخش اور قیام پاکستان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا معرض وجود میں آنا حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے۔ڈاکٹر این میری شمل لکھتی ہیں:

"اقبال حضرت داتا گنج بخش کے ماننے والوں میں تھے اور صبح کی نماز مسجد داتا دربار میں روحانی سکون اور عرفان کے لیے ادا کرتے اور پروفیسر مسعود الحسن صاحب کی تصنیف "داتا گنج بخش" میں یوں لکھا ہے کہ علامہ اقبال کو مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کا خیال اسی مسجد میں نماز کی ادائیگی سے حاصل ہوا۔(۳۴۱)

۲۔قدرت کی کرشمہ سازی سمجھ لیجئے کہ دریائے راوی کی یہی گزرگاہ آج سے تقریباً چالیس برس پہلے قائداعظم کی آماجگاہ بنا جہاں انہوں نے پاکستان کا پرچم لہرایا اور قیام پاکستان کے لیے ایک قرارداد پیش کی اور یہی دریائے راوی کا کنارہ ہی تو تھا جہاں سب سے پہلے ہندو نے جو لاہور کا گورنر تھا، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا، قائداعظم نے سچ ہی کہا تھا کہ دراصل پاکستان اسی دن ہی قائم ہو گیا تھا جس دن برصغیر کے پہلے ہندو نے کلمہ حق پڑھا۔(۳۴۲)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مئی ۲۰۰۱ء میں عوام اہل سنت لاہور نے کراچی میں سنی تحریک کے قائد محمد سلیم قادری کے بہیمانہ قتل پر دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے ایک احتجاجی جلوس نکالنے کا اعلان کیا، جسے روکنے کے لیے انتظامیہ نے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے اور لاہور کے ایس ایس پی کلب عباس کے حکم پر پولیس جوتوں سمیت مزار حضرت داتا گنج بخش اور مسجد میں داخل ہوگئی۔ رافضی کلب عباس نے یہ آرڈر دے کر کلب یزید ہونے کا ثبوت مہیا کیا۔ اس سانحہ پر روزنامہ جنگ لاہور کے کالم نویس جناب عبدالقادر حسن نے درج ذیل کالم لکھ کر مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔

حضرت داتا معاف فرمائیے

آپ کی طرح میں نے بھی دیکھا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دربار اور ملحقہ مسجد پر مسلمان پولیس اپنے بھاری بوٹوں سمیت یلغار کر رہی ہے اور پولیس کے آنسو گیس کا دھواں مسجد کے برآمدوں سے باہر آ رہا ہے اور حضرت داتا صاحب کا مزار اس گیس میں چھپا ہوا ہے۔ اخبارات نے اس منظر کی تصاویر شائع کیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ کیمرے کی آنکھ جھوٹ نہیں بولتی، میرا خیال تھا کہ ایک مسلمان مسجد کے احترام کا جذبہ لے کر پیدا ہوتا ہے لیکن افسوس کہ یہ خیال پنجاب پولیس اور پنجاب انتظامیہ نے غلط ثابت کر دیا اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔ اس سے پہلے جناب بھٹو کی حکومت میں داتا دربار سے کچھ ہی دور لوہاری گیٹ کی مسجد میں بھی پولیس اسی بے رحمانہ انداز میں داخل ہوئی تھی۔ جہاں اس نے حکومت کے خلاف احتجاج کرنے والے مولوی حضرات کی پٹائی کی تھی اور اس طرح کہ میں نے دیکھا کہ مسجد کے تالاب میں سنت رسول ﷺ کی نشانیاں تیر رہی تھیں۔ داڑھیوں کے ان بالوں کے ساتھ خون بھی تھا جو مسجد کے تالاب کو رنگین کر رہا تھا۔ اس وقت کے آئی جی پولیس سے کچھ دن بعد جب بات ہوئی تو اس نے جواب دیا کہ اگر میں یوں نہ کرتا تو بھٹو کے خلاف تحریک میں تیزی اور شدت کیسے ہوتی۔ معلوم نہیں پولیس کے آج کل کے اہلکاروں کا اس بارے میں کیا موقف ہے اور وہ کیا عذر پیش کر رہے ہیں۔ میں اگر ان دنوں رپوٹنگ کر رہا ہوتا تو اس خبر کے ساتھ پولیس کا موقف لازماً درج کرتا اور صوبے کے گورنر صاحب بھی گزارش کرتا کہ اب جب گورنر اور وزیر اعلیٰ بھی وہی ہیں تو اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ جنوبی ایشیا کے ایک بہت بڑے مبلغ اسلام اور ایک عالم و فاضل صوفی جن کی کتاب تصوف کی سب سے بڑی کتاب تسلیم کی جاتی ہے، اس خطے

کے مسلمانوں خصوصاً اہل لاہور کے لیے احترام وعقیدت کا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ لاہوری ان کے بغیر اپنے شہر کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور یہ واقعہ ایک حقیقت ہے کہ حج کے موقع پر جب ایک لاہوری بیمار پڑ گیا تو اس نے ماں کو خط لکھا کہ اماں داتا دربار جا کر میری صحت کے لیے دعا کرو اور ابھی چند دن پہلے مکہ مکرمہ سے ایک قیدی کے رشتہ داروں نے فون کیا ہے کہ قیدی کی ماں اور رشتہ دار داتا دربار جا کر دعا کریں۔ حسن اتفاق سے حال ہی میں داتا صاحب کا عرس بھی ختم ہوا ہے۔

حضرت داتا صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار میرے دل ودماغ میں خلل آ گیا جیسے مجھے کچھ غرور سا ہو رہا ہے۔ انہی دنوں میں پریشانی کی حالت میں سفر کر رہا تھا کہ ایک سرائے میں قیام کا اتفاق ہوا۔ میرے اوپر کے کمرے میں ایک بناوٹی صوفی مقیم تھا۔ جس کے مرید خربوزے کھا رہے تھے اور چھلکے میرے سر کو تاک، تاک کر مار رہے تھے اور ہنس ہنس کر میرا مذاق اڑا رہے تھے، میری اس حالت نے میرے اندر سے وہ خرابی دور کر دی اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کیا وفات کے بعد بھی حضرت داتا کو کسی ایسی ہی کیفیت میں کسی توہین کی ضرورت محسوس ہوئی کہ پولیس نے ان کے ساتھ یہ سلوک کر دیا۔ اس شہر کے لوگوں نے داتا صاحب سے ایک اور برا سلوک بھی کیا تھا، داتا صاحب، شاعر بھی تھے ان کا کلام کسی نے چرا لیا۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر عمر بھر افسوس کرتے رہے۔ حضرت نے کشف المحجوب نام سے تصوف کی فارسی زبان میں ایک کتاب لکھی جو محفوظ ہے اور تصوف کی پانچ بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے لیکن صوفیہ نے فیصلہ دیا ہے کہ یہ سب سے بلند اور بہتر ہے۔ یہ کتاب شریعت اور تصوف کے نازک تعلق پر اپنی مثال آپ ہے۔

مساجد کا احترام مسلمانوں کے ضمیر میں گوندھ دیا گیا ہے، کوئی مسلمان کسی مسجد میں جوتوں سمیت داخل ہی نہیں ہو سکتا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ جس طرح سؤر کے گوشت کی طرف مسلمان کے ہاتھ نہیں اٹھتے اسی طرح مسجد میں کسی مسلمان کے جوتوں سمیت قدم نہیں اٹھ سکتے۔ پولیس کو جس افسر نے مسجد میں جوتوں سمیت داخل

ہونے کا حکم دیا اس کی زبان کیوں نہ گنگ ہوگئی اور جن پولیس والوں نے اس حکم کی تعمیل کی ان کے پاؤں کیوں نہیں ٹوٹ گئے۔ بابری مسجد پر رونے والے یہ منظر دیکھ کر کیا کہیں گے اور کس لے میں نالہ وفریاد کریں گے۔ کئی برس پہلے لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جب میرے بڑے بھائی مجھے لے کر آئے تو وہ مجھے سب سے پہلے داتا صاحب کے مزار پر لے گئے اور مجھے ان کے سپرد کر دیا، وہ داتا صاحب کے دیوانہ وار عقیدت مند تھے، ہر سال اپنے دور دراز گاؤں سے دو ایک بار لاہور سلام کے لیے آتے، ایک آدھ دن داتا صاحب کے مزار پر قیام کرتے اور سیدھے واپس چلے جاتے۔ وہ اپنے جو مشاہدات سناتے ہم لوگ حیرت کے ساتھ سنا کرتے۔ ہزارہا لوگ ایسے ہی تھے جو اس صوفی کے بعد از وفات بھی اس کے مرید تھے۔ اسی شہر لاہور میں بادشاہوں کے مزار اور قبریں بھی ہیں جو موج میلے کی سیرگاہیں ہیں اور ان کو دیکھنے کے لیے ٹکٹ لینا پڑتا ہے لیکن اس درویش کے مزار سے ہر روز ہزاروں لوگ پیٹ بھرتے ہیں، روحانی فیض پاتے ہیں۔ جسم اور روح کی غذا کا یہ سلسلہ ہزار سے زائد برسوں سے جاری ہے۔ بادشاہت اسے کہتے ہیں۔ ہم نے داتا صاحب کا احترام نہ کر کے اپنے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ہم مسلمانوں کی حکومت نے نور خدا کے اس مظہر اور عالم کے اس فیض کی قدر نہیں کی، صاحب مزار کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، صوفیوں کی روایت کے مطابق حضرت داتا کی طبیعت میں جلال غالب ہے لیکن لاہوری ان کی روحانی اولاد ہیں۔ وہ ان پر مہربانی فرمائیں گے۔ یہ بے قصور بھی ہیں، وہ عوام الناس نہیں حکمران ہوتے ہیں جن کے سینوں میں دل نہیں ہوتا اور آنکھوں میں نور نہیں ہوتا۔ (۲۹ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ۔ ۲۴ رمئی ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گنبدوں کے مجاور

بہتے ہوئے پانی اور اونچے درختوں کی طرح مجھے کسی کھلی فضا میں بلند مینار اور کسی خاموش عمارت کے گنبد بہت پسند ہیں۔ ایسے میناروں اور گنبدوں کو دیکھنے کے لیے میں نے کئی شہروں کے سفر کیے۔ سمرقند کے مینار گنبد اور ان کے آس پاس اٹھتی ہوئی اونچی دیواریں میرے ذہن پر نقش ہیں۔ استنبول کی کئی کئی گنبدوں والی حیرت انگیز مسجدیں اور باریک کشیدہ مینار طلسمات کی دنیا ہیں، ایسے طلسم کدے تعمیر کرنے والے معمار اپنے ایسے جادوئی ذہن نہ جانے کہاں سے لاتے تھے اور ان کے سرپرست بادشاہ کیا ذوق رکھتے تھے جنھوں نے ان کی تعمیر اور تزئین پر خزانے لٹا دیئے۔ آگرے کا تاج محل سمرقند کے ریگستان کی عمارتیں اور استنبول کی مسجدیں، خوبصورت انسانی ذہنوں کے شاہکار ہیں اور ان کے در و دیوار کی تزئین اور نقش نگاری کرنے والے ہاتھ قدرت نے گویا انھی مرصع اور تابندہ کاموں کے لیے تخلیق کیے تھے۔ مزاروں کے گنبدوں پر میں نے ہر جگہ امن کی علامت کبوتر دیکھے ہیں۔ حرمین الشریفین سے برکت پانے والے لاہور میں داتا گنج بخش کے مزار تک استنبول میں ابو ایوب انصاری کے مزار سے لے کر دمشق میں غازی صلاح الدین ایوبی کے مزار تک بغداد، قاہرہ اور شمالی و مغربی افریقہ کی وسیع سرزمینوں پر پھیلے ہوئے علماء اور صوفیہ کے مزاروں پر ہر جگہ کبوتروں کے غول دیکھے جن کو دانہ ڈالنا ثواب سمجھا جاتا ہے اور زائرین یہاں ان کبوتروں کے لیے خالی ہاتھ داخل نہیں ہوتے۔ یہ کبوتر صاحبان مزارات کے وہ عقیدت مند ہیں جو ان کے آستانے اور چوکھٹ سے رات دن کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے۔ ان کی روزی انھی مزاروں سے وابستہ ہے اور ان مزار

والوں سے ان کی جو عقیدت ہے وہ ہم انسان سمجھ نہیں پاتے۔ ہم ظاہر بینوں کا تو یہ حال ہے کہ جب ہم نے دیکھا کہ زائر خواتین کے ہمراہ آنے والے بچے قالین خراب کر دیتے ہیں تو ہم نے حکم صادر کر دیا کہ کوئی خاتون چھوٹے بچے کو ساتھ نہیں لا سکتی۔ عجیب منظر تھا کہ بچے باہر بلک رہے ہیں اور مائیں اندر نوافل پڑھ رہی ہیں، تلاوت کر رہی ہیں اور رکوع و سجود میں ہیں لیکن ان ماؤں کے دل بٹے ہوئے ہیں۔ بچوں کی تکلیف دیکھ کر حضورﷺ نے خواب میں حکم دیا کہ اپنے قالین اٹھا لو مگر میرے بچوں کو میرے پاس آنے دو۔ پہلے، دوسرے دن بات سمجھ میں نہ آئی تو سختی کے ساتھ فرمایا کہ بچوں کو مت روکو۔ تمام اختیارات ختم ہو گئے قالین وقفوں سے بدلے جانے لگے اور بچے اپنے مہربان اور شفیق آقاﷺ کے صحن میں کھیلنے لگے، ہم انسان کبوتروں کی صاحبان مزار سے عقیدت اور رشتے سے بے خبر ہیں لیکن ہم انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے نادانستہ ایک ایسا عمل کر دیا کہ اس سے لاہور میں حضرت داتا کے مزار کے بیشتر کبوتر ختم ہو گئے۔ انسانوں کو اس مزار سے نکالنے کے لیے آنسو گیس چھوڑی گئی۔ انسان تو آنسو بہاتے اور کھانستے ہوئے باہر نکل آئے لیکن ان کبوتروں کو علم نہیں تھا کہ ان کے نازک جسموں پر یہ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے، امن و امان کے پیامبر یہ نازک جاندار اس دھویں کی تاب نہ لا سکے جو انسانوں کو بھی بے بس کر دیتا ہے۔ یہ کبوتر اس دھویں میں آ کر زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے جہاں تھے وہیں کچھ دیر کے لیے گم سم ہو گئے اور اسی نیم بیہوشی کے عالم میں صاحب مزار کے اردگرد بے جان ہو کر گرنے لگے۔

کبوتروں کے اس سانحہ کو کئی دن ہو گئے ہیں انہیں بوریوں میں بھر کر کہیں دفن کیے بھی کئی دن گزر گئے ہیں، میں اس سانحے پر خاموش تھا آخر کس کس سانحے پر رویا جائے اور ہر روز کے رونے سے کہاں سے جگر آوے لیکن ایک صاحب نے یاد دلایا کہ عرصہ ہوا ایک بار مرغی خانے والوں نے اپنے مسائل کے حق میں یوں احتجاج کیا کہ ایک دو دن کے چوزے اپنے جلوس کے ہمراہ لے آئے اور سڑک پر چھوڑ

دیئے۔ روئی کے گالوں کی طرح یہ پیارے پیارے چوزے سڑک پر بکھر گئے۔ چلتی ہوئی گاڑیوں نے انہیں بہت بچایا مگر ان کو بچانا ممکن نہ تھا اور اس طرح گاڑیوں، سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کے پاؤں تلے یہ چوزے سڑک کو رنگین کر گئے۔ اس پر تم نے کالم میں رونا رویا تھا آج داتا کے کبوتر انسانوں نے اپنی سیاست پر قربان کر دیئے ہیں اور تم خاموش ہو ان کبوتروں کو یاد نہیں کر رہے کیا یہ معصوم نہیں تھے بلکہ عقیدت مندوں کے لیے یہ متبرک بھی تھے۔

(روزنامہ ''جنگ'' لاہور ۵ر ربیع الاول ۱۴۲۲ھ۔ ۲۹ر مئی ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(غلامان داتا گنج بخش علی ہجویری سے گزارش ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی منقبت، نظم، مضمون، آپ بیتی یا کوئی واقعہ سنا، پڑھا ہو برائے کرم اسے نقل ر فوٹو کاپی کر کے اس پتا پر ارسال فرمادیں تا کہ آئندہ اشاعت میں شامل کیا جا سکے۔ دار الفیض گنج بخش، ۵۵۔ حکیم محمد موسیٰ روڈ، ریلوے روڈ، گوالمنڈی۔ لاہور ۵۴۰۰۰)

حواشی

ا۔عابد نظامی،ڈاکٹر خواجہ،لاہور میں اسلام کے سفیر،الفیصل ناشران وتاجران کتب،لاہور،ص ۴۱
۲۔طفیل محمد میاں،اردو ترجمہ کشف المحجوب،اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ،لاہور،۱۹۷۷ص ۳۷۔۳۸
۳۔ایضاً:ص ۳۸
۴۔غلام سرور رانا، پروفیسر: احوال و آثار حضور قبلہ شیخ ہندی، شیخ میاں خوشی محمد ہجویری۔ لاہور۱۴۲۳ھ،ص ۲۳
۵۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۰۔فروری ۱۹۹۸ء،ص ۷
۶۔ابوالاعلیٰ مودودی:رسائل ومسائل حصہ چہارم اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ،لاہور،ص ۱۳۳
۷۔ماہنامہ تجلی دیوبند نومبر و دسمبر ۱۹۶۷ء خاص نمبر ص ۱۲۶
۸۔رشید احمد گنگوہی،مولوی: فتاویٰ رشیدیہ،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی ۱۹۷۳ء ص ۴۶۱
۹۔ایضا! ص ۳۸۷
۱۰۔ولی اللہ محدث دہلوی،شاہ:انفاس العارفین،نوری بک ڈپو،لاہور،ص ۴۳
۱۱۔امداداللہ مہاجر مکی،حاجی،فیصلہ ہفت مسئلہ،انجمن امانت الاسلام،کراچی،ص ۱۲
۱۲۔اشرف علی تھانوی،مولوی:امدادالمشتاق،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،ص ۱۳۸
۱۳۔علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت ''جمعیت علمائے ہند'' مسلم لیگ کی شدید مخالف اور ہندو کانگریس کی حامی تھی۔(مرتب غفرلہ)
۱۴۔مشتاق احمد نظامی،علامہ،''خون کے آنسو'' جلد اول،مکتبہ نبویہ،لاہور،ص ۲۰۷
۱۵۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور،یکم مئی ۱۹۸۱ء ص ۲۱
۱۶۔ہفت روزہ چٹان لاہور ۲۹ اکتوبر تا ۴ نومبر ۱۹۷۴ء ص ۵
۱۷۔روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم اپریل ۱۹۸۷ء
۱۸۔ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور یکم فروری ۱۹۸۰ء ص ۲۸
۱۹۔روزنامہ امروز ملتان ۸ جنوری ۱۹۸۱ء
۲۰۔روزنامہ جنگ لاہور ۲۶ ستمبر ۱۹۸۹ء
۲۱۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء ص ۳
۲۲۔ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور ۱۰ تا ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۰ء،ص ۲۲
۲۳۔روزنامہ مشرق لاہور ۲۔اپریل ۱۹۸۹ء

۲۴۔ ہفت روزہ ایشیا لاہور ۱۱ نومبر ۱۹۸۴ء، ص: ۲۴
۲۵۔ ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء، ص: ۲۲
۲۶۔ ماہنامہ تجلی دیوبند نومبر ۱۹۵۸ء، ص ۲۹
۲۷۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۶ اپریل ۱۹۷۶ء ص ۶
۲۸۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اپریل ۱۹۵۴ء ص ۲۴
۲۹۔ ماہنامہ الخیر ملتان، اپریل ۱۹۸۷ء ص ۲۹
۳۰۔ روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر (مطبوعہ گوجرانوالہ ایڈیشن) ص ۲۵
۳۱۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۴ مئی ۱۹۸۵ء اشاعت خاص ص ۲۵
۳۲۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۱ فروری ۱۹۸۶ء ص ۱۰
۳۳ الف: روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۱۶ جولائی ۱۹۷۸ء
ب: ماہنامہ مہر و ماہ لاہور اکتوبر ۱۹۷۸ء ص ۱۵
۳۴۔ رونامہ جنگ لاہور ۱۴ نومبر ۱۹۸۸ء
۳۵۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۱۸ کتوبر ۱۹۶۳ء ص ۸
۳۶۔ ایضاً ۱۲۵ کتوبر ۶۳ء ص ۱۰
۳۷۔ ایضاً ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء شیخ التفسیر نمبر ص ۳۵
۳۸۔ ابوالحسن بارہ بنکوی: شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات، مکتبہ رشیدیہ کراچی ص ۱۵۹
۳۹۔ اسماعیل دہلوی، مولوی: صراط مستقیم، اسلامی اکیڈمی لاہور ص ۳۱۸
۴۰۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور ۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء ص ۸
۴۱۔ روزنامہ جنگ جمعہ میگزین ۲۵ تا ۳۱ جولائی ۱۹۸۶ء
۴۲۔ محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی: مکاتیب رشیدیہ، المکتبہ المدنیہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۱
۴۳۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۳۔ اپریل ۱۹۷۶ء ص ۱۲
۴۴۔ ماہنامہ الخیر ملتان اکتوبر ۱۹۸۷ء ص ۳۰
۴۵۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور اپریل ۱۹۸۰ ص ۱۷۶
۴۶۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۱۶ کتوبر ۱۹۴۶ء ص ۷
۴۷۔ ایضاً ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء شیخ التفسیر نمبر ص ۴۴ بقول مولوی احمد علی لاہوری سید احمد قائد تحریک بالا کوٹ کی موجودہ جعلی ہے، اصلی قبر کہاں ہے، یہ کسی کو معلوم نہیں، اس سے کئی شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں، ہماری نظر میں یہ پوری تحریک مشکوک ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: سید احمد شہید کی صحیح تصویر از وحید احمد مسعود، شائع کردہ رضا پبلی کیشنز۔ لاہور (مرتب غفرلہ)
۴۸۔ ایضاً ۲۵ جولائی ۱۹۸۰ء ص: ۲۰
۴۹۔ محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی، تذکرۃ الرشید جلد دوم، مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۶ھ ص ۲۵۲
۵۰۔ اشرف علی تھانوی، مولوی: الافاضات الیومیہ حصہ دہم، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۰۶ھ

ص ۱۰۷۔۱۰۸
۵۱۔محمد اشرف، صاحبزادہ: مجالس وحکایات، صاحبزادہ بک فاؤنڈیشن کوٹھ ۱۹۹۰ء ص ۸۔۹
۵۲۔حسین احمد دیوبندی، مولوی: سلاسل طیبہ، ادارہ اسلامیات لاہور ص ۳۴
۵۳۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۳۰ اپریل ۱۹۶۵ء ص ۶
۵۴۔امداداللہ مہاجر مکی، حاجی: شمائم امدادیہ، مدنی کتب خانہ ملتان ۱۴۰۵ھ، ص ۸۱۔۸۲
۵۵۔ماہنامہ الابقاء کراچی مارچ ۱۹۸۴ء ص ۲۹
۵۶۔اشرف علی تھانوی، مولوی: الافاضات الیومیہ حصہ ہشتم، ص ۲۲۹
۵۷۔عزیز الحسن، خواجہ: اشرف السوانح حصہ اول، ایم ثناء اللہ خان اینڈ سنز لاہور ۱۳۷۸ھ ص ۴۵
۵۸۔ماہنامہ بینات کراچی دسمبر ۱۹۸۵ء ص ۳۶۔۳۷
۵۹۔اشرف علی تھانوی، مولوی، حکایات اولیاء، دارالاشاعت کراچی ص ۲۸۸۔۲۸۹
۶۰۔اسماعیل دہلوی: صراط مستقیم، اسلامی اکیڈمی لاہور ص ۳۱۷۔۳۱۸
۶۱۔اشرف علی تھانوی: الاضافات الیومیہ حصہ دہم، ص: ۲۰۹۔۲۱۰
۶۲۔محمد شفیع، مفتی: مجالس حکیم الامت، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۴ء ص ۲۶۹
۶۳۔نواب الدین، حاجی: دورخی، مکتبہ غوثیہ چکوال ص ۸۰۔۸۱
۶۴۔ماہنامہ الابقاء کراچی جون ۱۹۸۴ء ص ۸
۶۵۔حسین احمد دیوبندی، مولوی: الشہاب الثاقب، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند ص ۵۶
۶۶۔خلیل احمد، مولوی: عقائد علمائے دیوبند، محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۱۴۔۱۵
۶۷۔اسماعیل دہلوی، مولوی، صراط مستقیم، اسلامی اکیڈمی لاہور ۲۲۱
۶۸۔رشید احمد گنگوہی، مولوی: فتاویٰ رشیدیہ، ص ۴۸۹
۶۹۔محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی، تذکرۃ الرشید جلد دوم، ص ۱۸۹
۷۰۔اشرف علی تھانوی، مولوی: امداد المشتاق، مکتبہ اسلامیہ لاہور ص ۹۲
۷۱۔اشرف علی تھانوی، حکایات اولیاء، دارالاشاعت، کراچی، ص ۳۷۵
۷۲۔ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور جنوری ۱۹۸۰ء سید مودودی نمبر ص ۲۷
۷۳۔محمد اشرف، صاحبزادہ: مجالس وحکایات، ص ۴۴
۷۴۔عزیز الحسن، خواجہ: اشرف السوانح حصہ اول، ایم ثناء اللہ کان اینڈ سنز لاہور ۱۳۷۸ھ ص ۳۵۔۳۶
۷۵۔محمد اشرف، صاحبزدہ: مجالس وحکایات، ص ۸۵۔۸۴
۷۶۔عبدالرحمن، منشی: سیرت اشرف مطبوعہ ملتان ۱۹۵۶ء ص ۷۰۸۔۷۰۹
۷۷۔محمد ارشد القادری، علامہ: زیروزبر، رومی پبلی کیشنز لاہور، ص ۹۱
۷۸۔محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی: تذکرۃ الرشید جلد دوم، ص ۳۰۸۔۳۰۹
۷۹۔غلام فرید، حافظ: احوال العارفین، نذیر سنز پبلشرز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۱۴۰۔۱۴۱

۸۰۔ہفت روزہ خدام الدین ۳۰/اگست ۱۹۸۵ء ص ۱۲
۸۱۔پندرہ روزہ آتش فشاں لاہور، نومبر ۱۹۷۹ء ص ۳۲
۸۲۔مجلہ تذکرہ سید مودودی، لاہور جلد اول اپریل ۱۹۸۶ء ص ۵۹۰
۸۲۔ا۔ماہنامہ ''فکر ونظر'' اقبال نمبر، نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء، اسلام آباد
۸۳۔امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی: کلیات امدادیہ، دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۷ء ص ۱۰۳
۸۴۔محمد زاہد الحسینی، قاضی: نجات دارین، دار الارشاد اٹک ۱۳۹۸ھ ص ۲۶۶
۸۵۔ماہنامہ المرشد لاہور فروری ۱۹۹۰ء حضرت جی نمبر ص ۵۱۔۵۲
۸۶۔ماہنامہ البلاغ کراچی دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۴۹
۸۷۔غلام رسول مہر: سید احمد شہید جلد اول، کتاب منزل لاہور ص ۴۳
۸۸۔اشرف علی تھانوی، مولوی، الافاضات الیومیہ، حصہ دہم، ص ۱۰۹۔۱۱۰
۸۹۔اشرف علی تھانوی، مولوی، امداد المشتاق، مکتبہ اسلامیہ لاہور ص ۱۱۰
۹۰۔احمد یار خان نعیمی، مفتی: جاء الحق، نعیمی کتب خانہ، گجرات، ص ۶
۹۱۔رئیس احمد جعفری: علی برادران، محمد علی اکیڈمی لاہور، ۱۹۶۳ء ص ۴۰
۹۲۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۶۔اکتوبر ۱۹۶۱ء ص ۵
۹۳۔فیوض الرحمٰن، قاری: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء، پاکستان بک سنٹر لاہور ص ۲۷
۹۴۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور سلسلہ نمبر ۶۱، رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ ص ۷۸
۹۵۔پندرہ روزہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ۷ اگست ۱۹۶۷ء تحریک پاکستان نمبر ص ۵
۹۶۔سہ روزہ ایشیا لاہور ۱۴ فروری ۱۹۵۹ء ص ۱۳
۹۷۔عبد الحمید خان: مرد مومن، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، ص ۱۷۱
۹۸۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۳ جنوری ۱۹۶۴ء ص ۴
۹۹۔عبد الحمید خان: مرد مومن، ص ۲۱۵
۱۰۰۔روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء
۱۰۱۔محی الدین ابو زکریا یحیٰ بن شرف النووی، امام: ریاض الصالحین: جلد دوم (مترجم) نعمانی کتب خانہ۔۱۹۷۷ء ص ۳۷۔۳۸
۱۰۲۔اے۔جی سکندر، شیخ: حضرت داتا گنج بخش اور حضرت خواجہ غریب نواز، رحیمیہ اکیڈمی لاہور ۱۹۹۴ء ص ۸
۱۰۳۔روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء
۱۰۴۔محمد رشید نقشبندی: تقدیم کشف المحجوب، لاہور ص ۶۰۔۶۱
۱۰۵۔یونس ادیب: حضرت داتا علی ہجویری، شیخ غلام علی لاہور، ص ۲۰
۱۰۶۔ایضاً ص ۲۱

۱۰۷۔غلام سرور رانا، پروفیسر: احوال و آثار قبلہ حضور شیخ ہندی، ص ٦
۱۰۸۔ایضاً ۱۷
۱۰۹۔ایضاً ص ۴۵۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے رفیقان سفر ان کے مرشد حقیقی کے حلقہ ارشاد کے پسندیدہ طالب اور راہ حق پر استقامت مسافر شیخ احمد سرخسی اور شیخ ابوسعید غزنی ان کے پہلو میں ابدی نیند سو رہے ہیں (یونس ادیب: حضرت داتا علی ہجویری، شیخ غلام علی لاہور، ص ۲۲)، یہ بھی حضور داتا گنج بخش نور اللہ مرقدہ کے موجودہ مزار کے اصلی ہونے کا بین ثبوت ہے (مرتب غفرلہ)
۱۱۰۔محمد زاہد الحسینی، قاضی: نجات دارین، دارالاشاعت اٹک ۱۳۹۸ھ ص ۲۳٦
۱۱۱۔مقبول احمد سیوہاروی، مولوی: حضرت خواجہ معین الدین چشتی، الجمعیۃ بک ڈپو دہلی، ص ۲٦
۱۱۲۔محمد نصیب: صاحب وقت، محمد نصیب اینڈ سنز صاحب وقت پبلشرز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۴۴۔۴۵
۱۱۳۔محمد دین کلیم قادری: مدینۃ الاولیاء، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۴۷۴۔۴۷۵
۱۱۴۔الف ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۳ جولائی ۱۹۷۱ء ص ۳
ب۔ایضاً ۳۰ جولائی ۱۹۷۱ء ص ۵
۱۱۵۔ماہنامہ رضوان لاہور اگست ۱۹۹۱ء ص ۲
۱۱٦۔عبدالصبور قریشی، پروفیسر: حالات زندگی حضرت داتا گنج بخش، نوری بک ڈپو لاہور ص ۱۵۔۱٦
۱۱۷۔ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر نومبر ۲۰۰۰ء حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر ص ۷۵۔۷٦
۱۱۸۔ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ اگست ۲۰۰۱ء ص ۲۲۔۲۳
۱۱۹۔ماہنامہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں اکتوبر ۱۹٦۴ء ص ٦
۱۲۰۔ایضاً ۱۲۱۔ایضاً ص ۷
۱۲۲۔اللہ یار خان، مولوی: دلائل السلوک، ادارہ نقشبندیہ منارہ چکوال ۱۹۸٦ء ص ۱٦۹۔۱۷۰
۱۲۳۔ماہنامہ المرشد لاہور فروری ۱۹۹۰ء حضرت جی نمبر حصہ اول ص ۹۵
۱۲۴۔ایضاً ص ۵۴ ۱۲۵۔ایضاً ص ۱٦۳
۱۲٦۔کتاب ''دلائل السلوک'' از مولوی اللہ یار خان دیوبندی پر جماعت اسلامی کے ایک اہل قلم اور ماہنامہ فاران کراچی کے ایڈیٹر جناب ماہر القادری نے بڑا دلچسپ تبصرہ کیا ہے (دیکھئے ماہنامہ فاران کراچی فروری ۱۹٦۸ء ص ۵٦)
۱۲۷۔ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور ۳۱ مارچ ۱۹٦۷ء ص ۸
۱۲۸۔ماہنامہ بینات کراچی محرم الحرام ۱۳۸۷ھ ص ٦۰
۱۲۹۔محمد سلیم حماد، صاحبزادہ: تذکرہ سرتاج الاولیاء حضرت داتا گنج بخش، ہجویری فاؤنڈیشن لاہور ۲۰۰۰ء ص ۹۱
۱۳۰۔ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۳۹
۱۳۱۔ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نومبر ۱۹۸۴ء ص ۴۳
۱۳۲۔ہفت روزہ چٹان لاہور ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء ص ۱۸

۱۳۳۔ دیکھئے: کوثر نیازی، مولانا: امام احمد رضا خان بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۰ء
۱۳۴۔ ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی جولائی ۱۹۷۸ء ص ۸۷
۱۳۵۔ محمد ضیاء اللہ قادری، مولانا: وہابی مذہب کی حقیقت، قادری کتب خانہ سیالکوٹ ۱۹۷۶ء ص ۴۶
۱۳۶۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ ص ۱۲
۱۳۷۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ ستمبر ۱۹۸۷ء
۱۳۸۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۶ دسمبر ۱۹۸۴ء
۱۳۹۔ ماہنامہ شہ رگ پاکستان لاہور اکتوبر ۱۹۸۹ء ص ۱۵
۱۴۰۔ ماہنامہ الفرید ساہیوال اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۳۳
۱۴۱۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور جولائی اگست ۲۰۰۰ء ص ۵۲
۱۴۲۔ ماہنامہ ندائے اہلسنت لاہور مئی ۱۹۹۵ء ص ۲۰
۱۴۳۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ستمبر ۱۹۸۸ء ص ۱۵
۱۴۴۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور اکتوبر ۱۹۷۸ء ص ۱۳
۱۴۵۔ الف: رونامہ جنگ لاہور ۱۲ دسمبر ۱۹۸۴ء
ب: ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ جنوری ۱۹۸۵ء ص ۱۹
۱۴۶۔ ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ ساہیوال ۱۵ تا ۲۱ اگست ۱۹۷۷ء ص ۱۳
۱۴۷۔ ماہنامہ القول السدید لاہور نومبر ۱۹۹۱ء ص ۱۲
۱۴۸۔ ماہنامہ ''گنج بخش'' لاہور فروری ۱۹۹۲ء ص ۳
۱۴۹۔ دیکھئے اداریہ ماہنامہ جہانِ رضا لاہور مئی ۲۰۰۲ء ص ۳
۱۵۰۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور اگست ۲۰۰۲ء ص ۱۱۔۱۲
۱۵۱۔ ماہنامہ ندائے اہل سنت لاہور جون ۲۰۰۰ء ص ۵۱
۱۵۲۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ اگست ۲۰۰۱ء ص ۲۱۔۲۲
۱۵۳۔ ٹاؤن شپ لاہور کے ایک نجدی مولوی ابراہیم سلفی نے نبی کریم ﷺ کے کلمہ شریف میں ذکر کو پیشاب سے تشبیہ دے کر اپنے لعنتی (مرتد) ہونے کا ثبوت فراہم کیا مگر افسوس کہ حکومت کی طرف سے اس خناس کو گرفتار کر لینے کے بعد چھوڑ دیا گیا اور تادم تحریر مزید کوئی کاروائی نہیں ہوئی، ہم حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مرتد شخص کا مقدمہ خصوصی عدالت میں چلا کر اسے فوراً واصل جہنم کیا جائے تاکہ آئندہ ایسی بکواس کرنے کی کسی نجدی کو جرأت نہ ہو (اداریہ ماہنامہ القول السدید لاہور جون ۱۹۹۲ء ص ۲۱)
۱۵۴۔ ماہنامہ القول السدید لاہور جون ۱۹۹۲ء ص ۲۰۔۲۱
۱۵۵۔ ایضاً جولائی ۱۹۹۲ء ص ۱۳۔۱۴
۱۵۶۔ ماہنامہ اخبار اہل سنت لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۳۱

۱۵۷۔ہفت روزہ افق کراچی ۴ تا ۱۰ جون ۱۹۷۹ء ص ۱۴
۱۵۸۔ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی اگست ۱۹۷۸ء ص ۸۹
۱۵۹۔روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۲ اگست ۱۹۹۴ء
۱۶۰۔دیکھیے ہفت روزہ ایشیا لاہور ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء ص ۱۰۔۱۱
۱۶۱۔ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ستمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۹
۱۶۲۔اشارہ ہے مفتی محمود صاحب کے اس بیان کی طرف کہ ''خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے (محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا: کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان، مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۴)
۱۶۳۔ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۳
۱۶۴۔محمد طیب، قاری: عالم برزخ، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۴
۱۶۵۔علمائے دیوبند فتویٰ کے لحاظ سے نہ سہی لیکن عملاً میلاد شریف کی محفلوں میں نہ صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ سیرت کانفرنسوں کے نام سے انہیں خود بھی منعقد کرتے ہیں، گو اس طبقہ میں کچھ افراد اب بھی ایسے موجود ہیں جو اعتدال پسند لوگوں کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں، تاہم علماء دیوبند کی اکثریت ماہ ربیع الاول کے پورے مہینے اور خاص کر ۱۲ ربیع الاول کے دن مصروف کمل دکھائی دیتے ہیں، تفصیل کے لیے راقم الحروف کا مضمون ''جشن عید میلاد النبی ﷺ علمائے دیوبند کی نظر میں'' مطبوعہ ماہنامہ السعید ملتان مئی ۲۰۰۲ء عید میلاد النبی ﷺ نمبر ص ۷۵ ملاحظہ فرمائیں۔
۱۶۶۔ہفت روزہ اہلحدیث لاہور ۳ جنوری ۱۹۹۲ء ص ۱۵
۱۶۷۔اخبار اہلسنت لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۳۱ (ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' مئی ۱۹۹۹ء میں مفتی عبد الرحمٰن اشرفی کے شائع شدہ انٹرویو سے اقتباس)
۱۶۸۔ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۶ ستمبر ۱۹۸۸ء ص ۱۸ ۱۶۹۔ایضاً ص ۱۸
۱۷۰۔ماہنامہ السعید ملتان اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۱۴۔۱۵
۱۷۱۔محمد عثمان غنی: ملفوظات طیبات، انجمن خدام الدین لاہور ص ۱۱۲
۱۷۲۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۷ / اکتوبر ۱۹۷۲ء ص ۱۲
۱۷۳۔ماہنامہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں جون ۱۹۶۳ء ۳۸۔۳۹
۱۷۴۔ماہنامہ اخبار اہلسنت لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۳۱
۱۷۵۔محمد دین کلیم قادری: مدینۃ الاولیاء، اسلام بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۲۴۹
۱۷۶۔محمد لطیف، ملک: اولیائے لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ص ۴۰
۱۷۷۔ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی اکتوبر ۱۹۷۲ء ص ۵۲
۱۷۸۔اقبال الدین احمد: تذکرہ خواجہ گیسو دراز، اقبال پبلشرز کراچی ۱۹۶۶ء ص ۵۳
۱۷۹۔غلام محمود، قاضی: فیوضات غوثیہ، کتب خانہ غوثیہ جادہ جہلم ص ۸۷
۱۸۰۔محمد دین کلیم: تاریخ اولیائے چشت لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۴۴

۱۸۱۔ اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت، لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۷۵
ص ۲۳۴۔۲۳۵
۱۸۲۔ محمد دین کلیم: تاریخ اولیائے چشت لاہور، ص ۱۵۲
۱۸۳۔ ایضاً ص ۱۵۳
۱۸۴۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری: تذکرہ اکابر اہلسنت، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۵۰۵
۱۸۵۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور فروری ۱۹۸۵ء ص ۶۸۔۶۹
۱۸۶۔ روزنامہ اوصاف اسلام آباد ۱۱ جنوری ۲۰۰۲ء
۱۸۷۔ محمد طاہر فاروقی، پروفیسر: سیرت امیر ملت، مطبوعہ علی پور سیداں، سیالکوٹ ۱۴۱۰ھ ۲۵۱۔۲۵۲
۱۸۸۔ محمد صادق قصوری: امیر ملت اور ان کے خلفاء، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۹۸۳ء ص ۲۵۳
۱۸۹۔ ماہنامہ عرفات لاہور جولائی اگست ۱۹۸۱ء مولانا نبی بخش حلوائی نمبر ص ۵۰
۱۹۰۔ سہ ماہی مجلہ اقبال ریویو لاہور جنوری ۱۹۸۴ء اقبال نمبر ص ۱۴
۱۹۱۔ محمد صدیق ہزاروی، مولانا: محدث اعظم پاکستان، انجمن خدام محدث پاکستان لاہور ص ۱۰۔۱۱
۱۹۲۔ محمد دین کلیم قادری: پیر سیال لاہور میں، القمر بک کارپوریشن لاہور ۱۴۰۲ھ ص ۱۲
۱۹۳۔ ایضاً ص ۲۲۔۲۳، ۱۹۴۔ ایضاً ص ۳۳۔۳۴، ۱۹۵۔ ایضاً ص ۳۶
۱۹۶۔ ماہنامہ ضیائے حرم، بیان میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی بنام جلال الدین ڈیروی
۱۹۷۔ الف: فضل احمد مونگہ: حدیث دلبراں، مونگا برادران شرقپور ۱۹۹۷ء ص ۵۶
ب: ماہنامہ نور اسلام شرقپور دسمبر ۱۹۹۳ء ص ۴۹
۱۹۸۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور اپریل مئی ۱۹۹۹ء ضیاء الامت نمبر ص ۴۵۵
۱۹۹۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر نومبر ۲۰۰۰ء حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر ص ۴۷
۲۰۰۔ روزنامہ مشرق پشاور ۱۴ نومبر ۱۹۸۴ء
۲۰۱۔ انجمن طلبہ اسلام گورنمنٹ کالج جہلم نے اپنے ایک اجلاس میں یہ قرارداد پاس کی تھی کہ ''داتا کی نگری میں واقع پنجاب یونیورسٹی کا نام گنج بخش یونیورسٹی رکھا جائے کیونکہ برصغیر میں اسلام ان بزرگوں کی کوششوں سے پھیلا ہے۔'' (ہفت روزہ الہام بہاولپور ۱۴ دسمبر ۱۹۸۲ء ص ۸)، جبکہ پروفیسر غلام سرور رانا صاحب کی تجاویز یہ ہیں کہ:
''آج ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت داتا صاحب کے فکری، علمی اور عملی افکار سے آگاہ کرنے کے لیے جامعہ ہجویریہ کے قیام کو فی الفور جدید تقاضوں کے عین مطابق جامعہ الازہر کے پیٹرن پر عمل میں لایا جائے اور گنج بخش ریسرچ سیل قائم کیا جائے تاکہ آپ کے عارفانہ، محققانہ، فلسفیانہ اور حکیمانہ افکار عالیہ، فرمودات اور ارشادات کی اشاعت و ترویج کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے، اس کا اعلان متعدد بار گنج بخش کانفرنسز میں کیا جا چکا ہے، اس کے علاوہ آپ کی شاہکار تصنیف کشف المحجوب شریف کی مبسوط شرح کروائی جائے، ممتاز پروفیسر اور سکالرز کے لیے آپ کے علمی افکار کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی مقالہ جات شائع کرنے کا بندوبست کیا جائے اور بین الاقوامی سطح

پر سید مخدوم علی ہجویری گنج بخش کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا جائے، نیز آپ کی تعلیمات سکول کی سطح سے یونیورسٹی تک شامل نصاب ہونی چاہئیں"۔ (ماہنامہ السعید ملتان اپریل ۲۰۰۱ء ص ۱۶)

۲۰۲۔ ماہنامہ ترجمان سواد اعظم لاہور ستمبر ۱۹۸۰ء قائد اعظم نمبر ص ۴۔۵

۲۰۳۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۴۔۱۱ مئی ۱۹۸۴ء معراج النبی ﷺ نمبر ص ۵۔۶

۲۰۴۔ ماہنامہ ترجمان سواد اعظم لاہور ستمبر ۱۹۸۰ء عید الاضحیٰ نمبر ص ۴

۲۰۵۔ ماہنامہ ترجما القرآن لاہور مئی ۱۹۸۲ء ص ۴۷

۲۰۶۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۶ مارچ ۱۹۸۲ء ص ۹

۲۰۷۔ ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور رجب ۱۴۰۲ھ ص ۶۔۷

۲۰۸۔ ماہنامہ القول السدید لاہور اگست ۱۹۹۵ء ص ۱۲، اس موقع پر حضرت صوفی محمد اللہ دتہ صاحب نے "سواد اعظم اور ابن سبیل مکی" نامی کتاب لکھی تھی جواب تک ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہو چکی ہے مگر کسی کو آج تک اس کی تردید لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ (مرتب غفرلہ)

۲۰۹۔ ماہنامہ القول السدید لاہور اگست ۱۹۹۵ء ص ۱۳

۲۱۰۔ ماہنامہ السعید ملتان فروری ۱۹۹۸ء امام اہلسنت نمبر ص ۸۶

۲۱۱۔ ماہنامہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں جنوری ۱۹۶۷ء ص ۱۰

۲۱۲۔ بیان اہلیہ محترمہ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ

۲۱۳۔ محمد دین کلیم قادری: مدینۃ الاولیاء، ص ۲۲۴

۲۱۴۔ ماہنامہ السعید ملتان اگست ۱۹۹۹ء ص ۶ تا ۷

۲۱۵۔ ماہنامہ القول السدید لاہور اگست ۱۹۹۵ء ص ۱۰۔۱۱

۲۱۶۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ فروری ۱۹۸۰ء ص ۱۹۔۲۰

۲۱۷۔ ۱۹۳۱ء میں جب پروفیسر محمد حبیب صاحب کابل گئے تھے تو ملا شور بازار نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا، عربی اصل ضائع ہو گئی، فارسی ترجمہ باقی رہ گیا، پروفیسر محمد حبیب صاحب نے اس رائے کو قبول کر لیا اور ان کا خیال بھی اب یہی ہے کہ اصل کتاب عربی میں تھی جو ضائع ہو گئی، ان کا کہنا ہے کہ فارسی کا انداز تحریر ایسا ہے کہ ترجمے کا خیال ہوتا ہے، مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں، جہاں تک فارسی طرز تحریر کا تعلق ہے، اس زمانے کی دوسری کتابیں بھی اسی انداز میں لکھی گئی ہیں، ابوالفضل بیہقی کی تاریخ آل سبکتگین کی فارسی بھی اسی طرح کی ہے، علاوہ ازیں ہمیں کسی تذکرہ یا تاریخ میں اس کتاب کے عربی میں ہونے کا اشارہ نہیں ملتا، متقدمین مشائخ نے اپنی کتاب میں جہاں جہاں اس کے اقتباسات دیئے ہیں، وہ سب فارسی میں ہیں اور اسی موجودہ نسخہ کے مطابق ہیں، کشف المحجوب جیسا کہ اندرونی شہادت سے ظاہر ہے، لاہور میں لکھی گئی، یہاں کے بسنے والوں کے لیے فارسی زبان ہی کی کتاب زیادہ مفید ہو سکتی تھی۔

(خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ عارفین کراچی ۱۹۷۵ء ص ۹۹)

٢١٨۔ سکندر شیخ صوفی: حضرت علی ہجویری، انجمن خدام القراء راولپنڈی ١٩٩٩ء ص ٢٣۔٢٤

٢١٩۔ خلیل احمد رانا: حضرت داتا گنج بخش اور درود تاج شریف، دار الفیض گنج بخش لاہور ١٩٩٤ء ص ١١تا١٤

٢٢٠۔ محمد دین کلیم قادری: مدینۃ الاولیاء، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ٥٥١

٢٢١۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نومبر ١٩٨٣ء ص ٥٥

٢٢٢۔ ہفت روزہ افق کراچی ٤تا١٠ جون ١٩٧٩ء ص ٩

٢٢٣۔ رضی حیدر، خواجہ: حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، نشرح فاؤنڈیشن کراچی ٢٠٠٠ء ص ١٧

٢٢٤۔ فضل الدین گوہر: اردو ترجمہ کشف المحجوب، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ١٩٨٩ء ص ٥٠

٢٢٥۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، ص ١٧٣

٢٢٦۔ محمد وارث کامل: تذکرہ اولیائے لاہور، مکتبہ ماحول کراچی ١٩٦٣ء ص ٩٣

٢٢٧۔ محمد تسیم عباسی: مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش، محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور ١٩٩٨ء ص ١٤

٢٢٨۔ سہ ماہی مجلہ اقبال ریویو لاہور جنوری ١٩٨٤ء اقبال نمبر ص ١٣۔١٤

٢٢٩۔ نظامی صاحب نے یہ فیشن کے طور پر لکھ دیا ہے وگرنہ وہ جانتے ہیں کہ تصوف والے اور شریعت جدا جدا نہیں ہیں (محمد موسیٰ امرتسری، حکیم) تذکرہ حضرت داتا گنج بخش، مصطفائی تحریک پاکستان لاہور ٢٠٠٠ء ص ٢٨ حاشیہ)

٢٣٠۔ خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ عارفین کراچی ١٩٧٥ء ص ٩٨

٢٣١۔ عبد الماجد دریابادی: تصوف اسلام، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور ص ٤٤۔٤٥

طفیل محمد، میاں: اردو ترجمہ کشف المحجوب، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ١٩٧٧ء ص ٢٦

٢٣٣۔ ایضاً ص ٢٧۔٢٨

٢٣٤۔ محمد زاہد الحسینی، قاضی: نجات دارین، دار الارشاد، اٹک ١٣٩٨ھ ص ٢٢١

٢٣٥۔ فضل احمد مونگا: حدیث دلبراں، ص ٩١۔٩٢

٢٣٦۔ ماہنامہ السعید ملتان اگست ١٩٩٩ء ص ٣٦

٢٣٧۔ محمد نصیب: صاحب وقت محمد نصیب اینڈ سنز، صاحب وقت پبلشرز لاہور ١٩٧٩ء ص ١١٩

٢٣٨۔ غلام سرور رانا، پروفیسر: احوال و آثار حضرت داتا گنج بخش، شیخ میاں خوشی محمد لاہور ٢٠٠٢ء ص ١٠٣۔١٠٤

٢٣٩۔ محمد سلیم حماد، صاحبزادہ: تذکرہ سرتاج اولیاء، ہجویری فاؤنڈیشن لاہور ٢٠٠٠ء ص ٥٣

٢٤٠۔ محمد موسیٰ امرتسری، حکیم: تذکرہ حضرت داتا گنج بخش، ص ٢٦

٢٤١۔ فیض احمد فیض، مولانا: مہر منیر، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر لاہور ص ١٥٢

٢٤٢۔ غلام سرور رانا، پروفیسر: احوال و آثار حضور قبلہ شیخ ہندی، ص ٦٧۔٦٨

٢٤٣۔ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور مئی ١٩٨٨ء ص ٤٤

٢٤٤۔ الطاف حسین سعیدی، ڈاکٹر: افضلیت غوث اعظم، دار الفیض گنج بخش لاہور ١٩٩٩ء ص

۴۲_۴۳
۲۴۵_ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی جولائی ۱۹۷۷ء ص ۴۷
۲۴۶_خلیل احمد رانا: حضرت داتا گنج بخش اور درود تاج: ص ۹_۱۱
۲۴۷_ماہنامہ انوار الفرید ساہیوال مئی جون ۱۹۸۴ء ص ۲۳
۲۴۸_سہ ماہی مجلہ اقبال ریویو لاہور جنوری ۱۹۸۴ء اقبال نمبر ۱۴_۱۵
(پیر فضل حسین فضل گجراتی پنجابی زبان کے معروف شاعر تھے)
۲۴۹_ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ مئی ۲۰۰۰ء ص ۲۱
۲۵۰_ماہنامہ المرشد لاہور فروری ۱۹۹۰ء حضرت جی نمبر ص ۱۵۹
۲۵۱_ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۳۶
۲۵۲_ماہنامہ القول السدید لاہور نومبر ۱۹۹۱ء ص ۹۶_۹۷
۲۵۳_فضل احمد مونگا حدیث دلبراں ص ۹۷_۹۸ ۲۵۴_ایضاً ص ۹۸
۲۵۵_اسرار بخاری، پروفیسر: حیات مغفور، فرید بک سٹال لاہور ص ۶۳_۶۴
۲۵۶_ماہنامہ القول السدید لاہور ستمبر ۱۹۹۶ء ص ۲۲_۲۳
۲۵۷_فضل احمد مونگا: حدیث دلبراں، ص ۹۴
۲۵۸_ماہنامہ نور اسلام شرقپور نومبر ۱۹۹۳ء ص ۶۰
۲۵۹_فضل احمد مونگا، حدیث دلبراں، ص ۹۴_۹۵
۲۶۰_ماہنامہ ضیائے حرام لاہور جون ۱۹۸۲ء ص ۸۲_۸۳
۲۶۱_محمد دین کلیم قادری: تذکرہ مشائخ قادریہ، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۲۶۲
۲۶۲_مغفور القادری، پیر سید: عباد الرحمٰن، کنول آرٹ پریس لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۲۸
۲۶۳_ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ نومبر ۲۰۰۱ء ص ۱۴
۲۶۴_ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۸۲ء ص ۶
۲۶۵_ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی جنوری ۱۹۵۴ء ص ۵۰۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ''کشف الاسرار'' نامی کتاب کا جو نسخہ راقم الحروف کے پاس ہے، اس کے صفحہ ۱۴ پر مذکورہ عبارت موجود ہے۔ (غفرلہ)
۲۶۶_احمد مصطفیٰ صدیقی راہی، ہمارے ولی۔ خیام پبلشرز لاہور ۱۹۸۰ء ص ۶۷
۲۶۷_غلام محمود ہزاروی، قاضی: فتنہ خارجیت، ادارہ غوثیہ رضویہ لاہور ص ۲_۳
۲۶۸_ہفت روزہ آئین لاہور ۲۱ مئی ۱۹۶۸ء ص ۱۳_۱۴
۲۶۹_سہ روزہ ایشیا لاہور ۲۲ جنوری ۱۹۶۰ء ص ۴
۲۷۰_ایضاً ۱۴ فروری ۱۹۵۹ء ص ۱۳
۲۷۱_ماہنامہ چراغ راہ کراچی تحریک اسلامی نمبر نومبر ۱۹۶۳ء ص ۴۰
۲۷۲_طفیل محمد، میاں: اردو ترجمہ کشف المحجوب، ص ۳۳

۲۷۳۔ ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۴ مئی ۱۹۷۰ء ص ۹
۲۷۴۔ ماہنامہ انوار الفرید ساہیوال جولائی ۱۹۸۳ء ص ۲۵
۲۷۵۔ محمد طیب، قاری: عالم برزخ، ۱۹۷۸ء ص ۲۴
۲۷۶۔ عبدالماجد دریابادی: تصوف اسلام، ص ۴۴
۲۷۷۔ ماہنامہ اسلامی دنیا دیوبند اپریل ۱۹۶۴ء ص ۱۶
۲۷۸۔ ولی حسن ٹونکی، مفتی: تذکرہ اولیائے ہندو پاک، محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۔۶
۲۷۹۔ ماہنامہ فاران کراچی اگست ۱۹۵۹ء ص ۲۷
۲۸۰۔ محمد زاہد الحسینی، قاضی: نجات دارین، ص ۴۷
۲۸۱۔ خلیل احمد رانا: حضرت داتا گنج بخش اور دور دتاج شریف، ص ۷
۲۸۲۔ عابد نظامی، ڈاکٹر خواجہ: لاہور میں اسلام کے سفیر، ص ۴۴
۲۸۳۔ محمد صدیق خان، ڈاکٹر: حضرت داتا گنج بخش، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ص ۲۷
۲۸۴۔ ایضاً ص ۷
۲۸۵۔ پندرہ روزہ ادبیات کراچی ۱۵ جون ۱۹۹۷ء ص ۱۲۴
۲۸۶۔ حفیظ الدین نظر: گلستان اولیاء، انجمن ارباب نظر حیدر آباد ۱۹۸۵ء ص ۸۱۔۸۲
۲۸۷۔ محمد تسیم عباسی: مخدوم امم حضرت داتا گنج بخش، ۱۹۹۸ء ص ۷
۲۸۸۔ امین الدین احمد قادری، حکیم سید، تذکرہ حضرت علی ہجویری، ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۵ء ص ۲۷
۲۸۹۔ محمد دین کلیم قادری: مدینۃ الاولیاء، ص ۴۷۳
۲۹۰۔ محمد الطاف نیروی: ترجمہ کشف المحجوب، ص ۵۷
۲۹۱۔ عبدالصبور قریشی، پروفیسر: حالات زندگی حضرت داتا گنج بخش، ص ۱۳۔۱۴
۲۹۲۔ جاوید، قاضی: پنجاب کے صوفی دانشور، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۲۷
۲۹۳۔ یونس ادیب: حضرت داتا علی ہجویری، مطبوعات شیخ غلام علی لاہور ص ۲۴
۲۹۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، ۱۹۸۳ء ص ۱۷۴۔۱۷۵
۲۹۵۔ ملاحظہ فرمائیں:
الف: اے۔ جی سکندر: حضرت داتا گنج بخش اور حضرت خواجہ غریب نواز، مطبوعہ لاہور
ب: جاوید، قاضی: پنجاب کے صوفی دانشور، م لاہور
ج: سعد اللہ ممتاز: قصے اللہ والوں کے، م راولپنڈی
د: طفیل محمد، میاں: اردو ترجمہ کشف المحجوب
ہ۔ ظہور الحسن شارب، ڈاکٹر: جدید تذکرہ اولیائے پاک و ہند لاہور
و۔ عبدالصبور قریشی، پنجاب کے صوفی دانشور
ز۔ محمد دین کلیم قادری: مدینۃ الاولیاء م لاہور ح۔ محمد لطیف ملک: اولیائے لاہور م لاہور

ط۔ مراد سہروردی، شاہ: سیر الاخیار م فیصل آباد۔ ی۔ نواز رومانی: بزرگ م لاہور
ک۔ ولی حسن ٹونکی، مفتی: تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان کراچی
۲۹۶۔ احمد مصطفیٰ صدیقی راہی: ہمارے ولی، ص ۶۸
۲۹۷۔ مولانا غلام قادر اشرفی چشتی قادری ضیائی، لالہ موسیٰ
۲۹۸۔ محمد رئیس خان، حافظ: صفات الکاملین، الجمال فیصل آباد، ص ۴۷۔۴۸
۲۹۹۔ ماہنامہ گل خنداں لاہور، بزرگان دین نمبر، ص ۱۴۱
۳۰۰۔ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲۳ ستمبر ۱۹۸۹ء
۳۰۱۔ جاوید، قاضی: پنجاب کے صوفی دانشور ص ۲۳
۳۰۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء، ص ۱۸۲ حاشیہ
۳۰۳۔ محمد موسیٰ امرتسری، حکیم: تذکرہ حضرت داتا گنج بخش، ص ۲۳
۳۰۴۔ ماہنامہ القول السدید لاہور جون ۱۹۹۱ء ص ۸۹۔۹۰
۳۰۵۔ ماہنامہ ماہ طیبہ سیالکوٹ فروری ۱۹۹۵ء ص ۵۔۶
۳۰۶۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ جولائی ۲۰۰۰ء ص ۷۔۸
۳۰۷۔ ماہنامہ السعید ملتان ستمبر ۲۰۰۰ء ص ۳۳۔۳۴
۳۰۸۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور اکتوبر ۱۹۸۰ء ص ۱۹
۳۰۹۔ ماہنامہ اخبار اہل سنت لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۳۱
۳۱۰۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نومبر ۱۹۸۴ء ص ۴۴
۳۱۱۔ ارشد القادری، علامہ: آئینہ حقیقت، مطبوعات لوح و قلم لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۱۵۔۱۱۶
۳۱۲۔ محمد عالم مختار حق: خطبات یوم رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۴ء ص ۱۲
۳۱۳۔ ماہنامہ السعید ملتان فروری ۱۹۹۷ء امام اہل سنت نمبر ص ۸۸
۳۱۴۔ روزنامہ دن لاہور تاریخ اشاعت ندارد
۳۱۵۔ ہفت روزہ محبوب حق فیصل آباد ۳ جنوری ۱۹۶۴ء ص ۵
۳۱۶۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ مئی ۲۰۰۰ء ص ۲
۳۱۷۔ روزنامہ دن لاہور سنڈے میگزین ۱۱ جون ۲۰۰۰ء ص ۴
۳۱۸۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر نومبر ۲۰۰۰ء حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر ص ۸۰
۳۱۹۔ محمد دین کلیم قادری: مدینۃ الاولیاء، ص ۴۲۰
۳۲۰۔ یادگاری مجلہ بر موقع ۱۷ واں سالانہ عرس مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کراچی ۲۰۰۰ء ص ۵۴
۳۲۱۔ ہفت روزہ محبوب حق فیصل آباد ۱۳ دسمبر ۱۹۶۳ء محدث اعظم نمبر ص ۷
۳۲۲۔ ظہور الحسن شارب، ڈاکٹر: جدید تذکرہ اولیائے پاک و ہند، حامد اینڈ کمپنی لاہور ص ۲۶۱
۳۲۳۔ راوی لاہور اپریل ۱۹۷۴ء اقبال نمبر ص ۹
۳۲۴۔ محمد موسیٰ امرتسری، حکیم: تذکرہ حضرت داتا گنج بخش، ص ۶۲۔۶۳

۳۲۵۔ ماہنامہ القول السدید لاہور ستمبر ۱۹۹۶ء ص ۲۴ تا ۲۶
۳۲۶۔ ماہنامہ المصطفیٰ کراچی ستمبر ۲۰۰۰ء ص ۱۷
۳۲۷۔ محمد فیض احمد اویسی، مولانا: پیر پیغمبر اور چھ ستمبر، بزم رضویہ لاہور ۱۹۹۹ء ص ۱۱
۳۲۸۔ ہفت روزہ محبوب حق فیصل آباد ۲۴ دسمبر ۱۹۶۴ء ص ۱۷
۳۲۹۔ محمد دین کلیم قادری: پیر سیال لاہور میں، ص ۳۷۔۳۸
۳۳۰۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور جنوری ۱۹۸۰ء حضرت شمس العارفین نمبر ص ۱۰۸۔۱۰۹
۳۳۱۔ محمد الطاف نیروی: اردو کشف المحجوب ص ۵۹
۳۳۲۔ ماہنامہ السعید ملتان دسمبر ۲۰۰۱ء امام اہل سنت نمبر ص ۱۰۴
۳۳۳۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر نومبر ۲۰۰۰ء حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر ۸۲۔۸۳
۳۳۴۔ ایضاً ص ۸۱ ۳۳۵۔ ماہنامہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں اپریل ۱۹۶۷ء ص ۲۸
۳۳۶۔ محمد سعید احمد، علامہ: منقبت، شجرہ نسب، شجرہ طریقت حضرت داتا گنج بخش، ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۵
۳۳۷۔ محمد موسیٰ امرتسری، حکیم: تذکرہ حضرت داتا گنج بخش ص ۵۶
۳۳۸۔ اے جی سکندر، شیخ: حضرت داتا گنج بخش اور حضرت خواجہ غریب نواز، رحیمیہ اکیڈمی لاہور ۱۹۹۴ء ص ۳
۳۳۹۔ امین الدین احمد قادری، حکیم سید: تذکرہ حضرت علی ہجویری ص ۱۳
۳۴۰۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور اکتوبر نومبر ۲۰۰۰ء حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر ص ۷۷۔۷۸
حضرت حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کو حضرت داتا صاحب قدس سرہ سے خاص عقیدت تھی اور آپ کے فیض سے ہی وہ روحانیت کی طرف مائل ہوئے اور مفکر اسلام کا درجہ پایا (ایضاً ص ۷۸۔۷۹)
۳۴۱۔ محمد سلیم حماد، صاحبزادہ: تذکرہ سرتاج الاولیاء ص ۷۹
۳۴۲۔ محمد نصیب: صاحب وقت، ص ۱۹

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیرت بعد وصال

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ

الدین ڈیروی

رضا پبلی کیشنز لاہور